لا إله إلا الله محمد رسول الله

سپیدۂ سحر

اور ٹمٹماتا چراغ

اسلامی دستور سمجھے جانے والے دستورِ پاکستان کا
شریعت کی روشنی میں محاکمہ

بقلم:
شیخ أیمن الظواهري

ترجمہ:
مولانا عبد الصمد

سپیدۂ سحر اور ٹمٹماتا چراغ

اسلامی دستور سمجھے جانے والے دستورِ پاکستان کا
شریعت کی روشنی میں محاکمہ

شیخ ایمن الظواھری حفظہ اللہ

مترجم: مولانا عبد الصمد حفظہ اللہ

ادارۂ حطین

نام کتاب............. سپیدۂ سحر اور ٹمٹماتا چراغ

نام مولف............. شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ

نام مترجم............. مولانا عبدالصمد حفظہ اللہ

تعداد.................. ۲۰۰۰

تاریخ اشاعت....... ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ

ناشر.................. ادارۂ حطین

قیمت

انتساب

خطۂ اسلام ''پاکستان'' میں بسنے والے
علمائے عظام، مدارس کے طلبائے کرام،
جدید تعلیم یافتہ نوجوانانِ اسلام، مذہبی جماعتوں کے قائدین وکارکنان
اوران تمام مسلمانوں کے نام
جن کے سینوں میں یہ تڑپ اور دلوں میں یہ تمنا ہے کہ
پاکستان میں عملاً شریعتِ مطہرہ کا نفاذ ہو
اور یہ حقیقی معنوں میں پاکستان یعنی ''پاک سرزمین'' بن جائے۔

فہرست

عرضِ ناشر	۱۳
مقدمہ	۱۵
باب اول حاکمیت کس کا حق ہے؟	۳۰
باب دوم دستورِ پاکستان اور شریعتِ اسلامی کے مابین تضادات	۳۶
باب سوم دستور کے بیان کردہ وسائل شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں	۱۲۵
اختتامیہ	۱۷۶
مراجع و مصادر	۱۹۰

تفصیلی فہرست

عرضِ ناشر	۱۳
مقدمۂ کتاب	۱۵
پاکستان کے دستور اور نظامِ حکومت سے متعلق ایک اہم اشکال	۱۵
اس کتاب کی تحریر کا اصل محرک	۱۶
مسئلہ محض حکمران طبقے کا ہے...... یا دستور اور ریاست بھی غیر اسلامی ہے؟	۱۶
''قومی ریاست'' کا مغربی تصور	۱۷
''خلافت'' کا اسلامی تصور اور اس کی بنیادیں	۱۷
۱) عقیدۂ توحید	۱۷
۲) غیر اللہ کی بندگی سے آزادی	۱۷
۳) تنہا ایک اللہ کی سمت یکسوئی	۱۸
۴) خلافت و نیابت، نہ کہ حاکمیت	۱۹
۵) مقصدِ زندگی، عبادتِ رب کے ذریعے اخروی کامیابی کا حصول	۲۰
۶) محاسبہ کرنے والی اصل ذات...... اللہ رب العالمین	۲۰
۷) امتِ مسلمہ کی اساسی ذمہ داری، دعوتِ دین کا ابلاغ	۲۱
۸) دعوت پھیلانے اور فتنہ مٹانے کے لیے جہاد و قتال	۲۱
۹) حاکمیتِ شریعت، عدل، شوریٰ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسلامی اصول	۲۲
۱۰) وطنی و قومی تعصّبات سے آزادی	۲۳
۱۱) عزت کا معیار...... ایمان، تقویٰ اور عملِ صالح	۲۳

۱۲) فیصلوں کا ماخذ، شریعتِ الٰہیہ نہ کہ کثرتِ رائے ۲۴
مغرب کے سیاسی تصورات کا تاریخی پس منظر ۲۴
امتِ مسلمہ میں اٹھنے والی بیداری کی لہر کا تاریخی پس منظر ۲۵
"لکم دینکم ولي دین"! ۲۵
دستورِ پاکستان کا اصل مقصد؛ بین الاقوامی نظام کے تابع مغربی طرز کی ریاست کا قیام ۲۶
دستور کے 'اسلامی' ہونے کا فریب! ۲۶
یہ وہ پاکستان نہیں! ۲۶
کتاب کی وجۂ تسمیہ ۲۷
اختتامی کلمات ۲۸
باب اول ۳۰
حاکمیت کس کا حق ہے؟
اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے ۳۱
پاکستان میں قانون سازی کا حق مطلقاً پارلیمان کو حاصل ہے ۳۲
ممکنہ شبہات اور ان کا رد ۳۳
پہلا شبہہ: مسلم معاشرے کی مصلحت کے لئے ہی مسلم نمائندگان دستور سازی کرتے ہیں ۳۳
دوسرا شبہہ: شریعت سے متصادم قوانین کو دور کرنے کے لئے وفاقی شرعی عدالت تشکیل پا چکی ہے ۳۴
حواشی ۳۵
باب دوم ۳۶
دستورِ پاکستان اور شریعتِ اسلامی کے مابین تضادات

پہلی فصل ۳۷

شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذاتِ خود صرف فسق ہی ہو

دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں ۳۷

(الف) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا قول ۳۷

(ب) سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۰ ۳۸

حافظ ابن کثیرؒ کا قول ۳۸

علامہ احمد شاکرؒ کا تبصرہ ۳۹

(ج) سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۱ ۴۳

حافظ ابن کثیرؒ کا قول ۴۴

(د) حضرت عدیؓ بن حاتم کی روایت ۴۴

امام ابن جریر طبریؒ کی عبارت ۴۵

امام ابو بکر جصاصؒ کا قول ۴۶

امام طبریؒ کا قول ۴۷

امام قرطبیؒ کا قول ۴۸

ابن حزمؒ کا قول ۴۸

ابن تیمیہؒ کا قول ۴۹

امام ابن کثیرؒ کا قول ۴۹

علامہ شوکانیؒ کا قول ۵۱

(ہ) علامہ احمد شاکرؒ کا اقتباس ۵۱

(و) علامہ محمد امین الشنقیطیؒ کا قول ۵۱

حواشی ۵۳

دوسری فصل ۵۴

دستورِ پاکستان میں موجود خلافِ شریعت قوانین کی مثالیں

(۱) پہلا تضاد: نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر مقید اور مطلق حقِ قانون سازی حاصل ہے ۵۵

(۲) دوسرا تضاد: بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکے اور محاسبے سے بالاتر ہیں ۵۶

(الف) پہلا مبحث: کیا کسی شخصیت یا ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟ ۵۷

پہلا نکتہ: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد ۵۸

اولاً: سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل ۵۸

ثانیاً: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ سیرتوں سے دلائل ۶۴

(۱) حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی مثال ۶۴

(۲) حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی مثال ۶۷

دوسرا نکتہ: اقوالِ علماء سے اس فاسد اصول کا رد ۶۹

(الف) امام شافعیؒ کا قول ۶۹

(ب) امام قرطبیؒ کا قول ۷۰

(ج) امام ابوبکر جصاص حنفیؒ کا قول ۷۲

(د) ابن حزمؒ کا قول ۷۴

(ہ) امام ابن تیمیہؒ کا قول ۷۶

تیسرا نکتہ: اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے، حتیٰ کہ ان ادوار میں بھی جو خلافتِ راشدہ کے سنہری دور سے بہت دور تھے اور جب فساد عام ہو چکا تھا ۸۰

(الف) سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان کی مثال ۸۰

(ب) سلطانِ عادل نور الدین بن زنگی شہیدؒ کی مثال ۸۱

حواشی ۸۶

(ب) دوسرا مبحث: دستورِ پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں ۸۸

دفعہ ۴۸ ۸۸

دفعہ ۲۴۸ ۸۹

ایک اشکال اور اس کا جواب ۸۹

دفعہ ۲۴۵ ۹۲

دفعہ ۲۷۰ ۹۳

دفعہ ۲۶۹ ۹۳

دفعہ ۲۷۰، الف ۹۴

دفعہ ۲۷۰ الف الف ۹۸

دفعہ ٦٦ ۹۸

ایک اعتراض اور اس کا جواب ۹۹

حواشی ۱۰۲

(۳) تیسرا تضاد: سربراہِ ریاست (یعنی صدر) کو ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے ۱۰۸

(۴) چوتھا تضاد: قاضی کے لیے ''عادل'' ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، جبکہ مسلمان ہونے کی شرط بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے عائد کی گئی ہے ۱۱۰

(الف) اسلام میں قاضی کے لئے مسلمان ہونا اور عادل ہونا شرط ہے ۱۱۰

(ب) دستورِ پاکستان میں مسلمان ہونے کی شرط محض شرعی عدالتوں کے قاضیوں کے لئے ہے ۱۱۱

(۵) پانچواں تضاد: سربراہِ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی ۱۱۵

(۶) چھٹا تضاد: ہر اس شخص کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر جرم قرار دیئے جانے سے قبل کیا ہو ۱۱۶

(۷) ساتواں تضاد: آئینِ پاکستان ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے مطلقاً منع کرتا ہے ۱۲۰

(۸) آٹھواں تضاد: سود کے حوالے سے دستور کا مؤقف ۱۲۱

حواشی ۱۲۳

باب سوم ۱۲۵

دستور کے متعین کردہ وسائل شریعت نافذ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے

پہلی فصل ۱۲۶

دستور کا دیباچہ 'قراردادِ مقاصد'، دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

(الف) اسلام اور جمہوریت ۱۲۷

(ب) قراردادِ مقاصد کے اسلامی احکامات ۱۳۱

(ج) قراردادِ مقاصد کے دیباچہ دستور ہونے کی حیثیت ۱۳۲

(د) دیباچہ، دفعہ ۲ الف اور عدالتی فیصلے ۱۳۴

(ہ) پاکستانی دستور اور قوانین میں غیر شرعی مواد موجود ہے ۱۴۱

حواشی ۱۵۰

دوسری فصل ۱۵۳

دفعہ ۳۱ 'اسلامی طرزِ زندگی'

(الف) یہ محض ایک وعدہ ہے ۱۵۴

(ب) مبہم الفاظ ۱۵۴

تیسری فصل ۱۵۵

دفعہ ۳۸ 'سود کا خاتمہ'

چوتھی فصل	۱۵۶
وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۳ الف	
(الف) وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ کار سے مستثنیٰ امور	۱۵۶
(ب) وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل میں پائی جانے والی خامیاں	۱۵۹
(ج) وفاقی شرعی عدالت اور دیگر عدالتوں کے دائرۂ کار مختلف ہونے کا نتیجہ	۱۶۰
(د) دیگر عدالتوں کی نسبت وفاقی شرعی عدالت کی کمتر حیثیت	۱۶۲
ایک شبہہ اور اس کا جواب	۱۶۳
(ہ) بہت سے احکامات کو شرعی عدالت سے بالاتر قانونی تحفظ حاصل ہے	۱۶۳
خلاصۂ کلام	۱۶۴
ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۶۴
پانچویں فصل	۱۶۶
دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام، دفعہ ۲۲۷ تا ۲۳۱	
(الف) دفعہ ۲۲۷	۱۶۶
(ب) اسلامی نظریاتی کونسل	۱۶۸
حواشی	۱۷۱
اختتامیہ	۱۷۶
پاکستانی ریاست و دستور، تاریخ کے آئینے میں	۱۷۷
کتاب پر اٹھنے والے ممکنہ شبہات اور ان کا جواب	۱۸۰
برصغیر میں غلبۂ اسلام کے لئے مطلوب چند عملی اقدامات	۱۸۴
(الف) صحیح آگہی پیدا کرنا	۱۸۴
(ب) صلیبی یلغار کے مقابل ڈٹی جہادی تحریکوں کی معاونت	۱۸۶
(ج) نفاذِ شریعت کی کوششوں کی تقویت	۱۸۷
(د) تمام شعبہ ہائے دین کی دعوت اور عوام کی دینی تربیت کا اہتمام	۱۸۷

(ہ) جہاد فی سبیل اللہ ۱۸۷
حواشی ۱۸۹
مراجع و مصادر ۱۹۰

عرضِ ناشر

سرزمینِ پاکستان...... جسے قریباً ساٹھ سال قبل لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کے عوض حاصل کیا گیا تھا کہ اسے اسلام کا قلعہ بنایا جائے گا...... آج نہ صرف اسلام، نظامِ خلافت اور نفاذِ شریعت سے محروم ہے بلکہ دینِ اسلام اور نفاذِ شریعت کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ آج پوری ریاستِ پاکستان مجاہدینِ عالم کے خلاف طاغوتِ اکبر 'امریکہ' کی فرنٹ لائی اتحادی ہے۔ یقیناً اس کی کچھ بنیادی وجوہات ہیں...... فی الحقیقت مسئلہ محض حکمران طبقے کا نہیں بلکہ نظامِ سلطنت خود فساد پر کھڑا ہے۔

وہ شے جسے آج تک 'اسلامی تشخص' کا نام دیا جاتا رہا سوائے فریب کے اور کچھ نہیں۔ وہ ریاست جسے واحد 'اسلامی ریاست' کہا گیا...... انھی بنیادوں پر قائم ہے جو مغربی تصورِ ریاست کی فراہم کردہ ہیں۔ وہ دستور جس کے ذریعے اس ریاست کو کلمہ پڑھایا گیا...... خود اسلام سے متصادم اور نفاذِ شریعت کی راہ میں حائل ہے۔

پاکستان میں بسنے والے اہلِ ایمان بالخصوص علمائے دین اور سنجیدہ طبقوں کو ان وجوہات پر غور کرنا چاہیے تاکہ ہم اپنی جدوجہد کو صحیح رخ دے سکیں اور حق کے آئینے میں اپنے فرائض کا تعین کر سکیں۔ اسی دعوتِ فکر و عمل کی غرض سے ادارۂ حطین کتاب ''سپیدۂ سحر اور ٹمٹماتا چراغ'' شائع کر رہا ہے۔ یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، قائدِ جہاد شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی تصنیف "**الصبح والقندیل**" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں محترم قائد پاکستان کے دستور کو زیرِ بحث لائے ہیں کہ جسے اسلامی تصور کیا جاتا ہے۔ آپ نے شریعت کی روشنی میں اس کا محاکمہ کیا ہے اور دلائلِ شرعیہ کی رو سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ یہ دستور شریعت سے متصادم اور غیر اسلامی ہے۔ نیز آپ نے اہلِ پاکستان کے سامنے وہ رہنما اصول بھی بیان کیے ہیں جو انھیں منزلِ مقصود (یعنی رضائے رب، نفاذِ شریعت، قیامِ خلافت) تک پہنچنے میں ممد ثابت ہوں۔

ہم اپنے فاضل دوست مولانا عبدالصمد حفظہ اللہ کے انتہائی مشکور ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا اور اسے اہلِ پاکستان کے لئے افادۂ عام بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشیں اور

اس عملِ خیر کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ اور توشۂ آخرت بنا دیں، آمین۔

یہ کتاب مقدمہ، تین ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔ نیز آخر میں ان تمام مراجع کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جن سے اس کتاب کی تصنیف میں مدد لی گئی۔ کتاب میں مذکور حواشی کو بلا قاعدہ ہر چند صفحات کے بعد تحریر کر دیا گیا ہے۔ نیز دستورِ پاکستان کی متذکرہ دفعات کی انگریزی عبارات بھی لکھ دی گئی ہیں۔

پس پاکستان میں بسنے والے علمائے دین، مدارس کے طلبائے کرام، جدید تعلیم یافتہ افراد، مذہبی جماعتوں کے قائدین و کارکنان اور ہر اس مسلمان کی خدمت میں یہ کتاب ایک پرخلوص ہدیہ ہے جو پاکستان میں نفاذِ شریعت کا متمنی و خواہاں ہے۔ یہ ایک دعوتِ فکر و عمل ہے کہ مسلمانانِ پاکستان ہر عصبیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حق کے آئینے میں اس موجودہ نظام کی حقیقت یعنی غیر شرعی حیثیت کو پہچانیں، اس ریاست و دستور کے دجل کو جانیں اور پھر ان بے نور قندیلوں اور ٹمٹماتے چراغوں کو چھوڑ کر چودہ صدیوں قبل طلوع ہونے والے آفتابِ قرآن وسنت کی راہ اختیار کریں تاکہ رب کی عطا کردہ یہ سرزمین شریعت کا گہوارہ اور حقیقی معنوں میں پاکستان (پاک سرزمین) بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائیں، اسے حق کی نصرت کا ایک ذریعہ اور مسلمانانِ پاکستان میں بیداری کا ایک وسیلہ بنا دیں، آمین یارب العالمین۔

اللّٰهم أرنا الحق حقا والرزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا والرزقنا اجتنابه! اللّٰهم أرنا الأشياء كما هي!

مقدمۂ کتاب

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له. وأشهد أن لا إله إلا الله وحدهٗ لا شريك له، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله.

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النسآء: ۱)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا. يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (الأحزاب: ۷۰-۷۱)

امابعد!

پاکستان کے دستور اور نظامِ حکومت سے متعلق ایک اہم اشکال

جب سے میں پاکستان سے متعارف ہوا ہوں، مسلسل کئی پاکستانی بھائیوں اور اسلامی جماعتوں کے داعی اور کارکن حضرات کو ایک بات دہراتے سنا ہے۔ ان سب حضرات کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کا نظامِ حکومت دیگر مسلم ممالک میں قائم نظام ہائے حکومت سے قدرے مختلف ہے کیونکہ پاکستان کا دستور صحیح اسلامی اساسوں پر قائم ہے۔ یہ دستور عوام المسلمین کو اپنے نمائندے چننے اور شریعت کی روشنی میں اپنے حکام کا محاسبہ کرنے کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے۔ پس مسئلہ دستور یا نظام کا نہیں بلکہ اس فاسد حکمران طبقے کا ہے جو کبھی بزورِ قوت اور کبھی دیگر ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے اقتدار پر قابض رہتا

ہے، اور دستور میں درج امور کی پابندی نہیں کرتا۔

اس کتاب کی تحریر کا اصل محرک

یہ باتیں سن کر میرے ذہن میں کچھ سوالات جنم لیتے تھے۔ مثلاً یہ کہ اگر پاکستانی نظامِ حکومت واقعتاً اسلامی بنیادوں پر قائم ہے تو پھر اس سے اس قدر فساد و بگاڑ اور مغرب کی اندھی غلامی کیونکر پیدا ہو رہی ہے؟ اگر پاکستانی نظام واقعتاً اسلامی بنیادوں پر قائم ہے تو پھر اس کا نظامِ تعلیم اس قدر مہلک اور تباہ کن کیوں ہے؟ آخر کیوں اس نظامِ تعلیم سے ایسی نسلیں تیار ہو رہی ہیں جو اسلام سے جذباتی وابستگی رکھنے کے باوجود قول و عمل میں مکمل طور پر مغربی ثقافت اختیار کر چکی ہیں؟ اگر پاکستان کا نظام واقعتاً اسلامی بنیادوں پر قائم ہے تو پاکستان کی فوج...... جو اس ملک کی بے تاج بادشاہ ہے...... کے لیے امریکی غلامی کو اپنے گلے کا ہار بنانا کیسے ممکن ہو پایا ہے؟ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ پاکستانی نظام اسلامی بنیادوں پر قائم ہو اور پھر بھی ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے نام پر جاری اسلام کے خلاف جنگ میں پاکستان امریکہ کا سب سے بڑا اتحادی بن جائے؟ یہ اور ایسے کئی دیگر سوالات میرے لیے حیرت و پریشانی کا باعث بنے رہے، لہٰذا میں نے پختہ عزم کر لیا کہ مجھے جب کبھی فرصت ملی، میں دستورِ پاکستان کا مطالعہ ضرور کروں گا، لیکن ایک عرصے تک میری مصروفیات اس ارادے کی تکمیل میں حائل رہیں۔ بالآخر جب مجھے دستورِ پاکستان پڑھنے کا موقع ملا تو مجھ پر اُن اوہام و شبہات کی حقیقت کھلی جن کا پاکستان کی دینی جماعتوں میں کام کرنے والے بہت سے بھائی شکار ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان اشکالات کا سبب اس دستور سے عدم واقفیت ہے یا اندھی اتباع کرنے کی روش......؟ اس مطالعے کے نتیجے میں دستورِ پاکستان میں موجود واضح تناقضات مجھ پر ظاہر ہوئے جو شریعت کا ادنیٰ سا علم رکھنے والے کسی شخص سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔

مسئلہ محض حکمران طبقے کا ہے...... یا دستور اور ریاست بھی غیر اسلامی ہے؟

اس مطالعے کے نتیجے میں مجھے اپنے مذکورہ بالا سوالوں کا جواب بھی مل گیا۔ میں پوری بصیرت کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان ایک غیر اسلامی مملکت ہے اور اس کا دستور بھی غیر اسلامی ہے، بلکہ اسلامی شریعت کے ساتھ کئی اساسی اور خطرناک تناقضات پر مبنی ہے۔ نیز مجھ پر یہ بھی واضح ہوا کہ پاکستانی دستور بھی اسی مغربی ذہنیت کی پیداوار ہے جو عوام کی حکمرانی اور عوام کے حقِ قانون سازی کے نظریے

پر یقین رکھتی ہے، اور بلا شبہ یہ نظریہ اسلام کے عطا کردہ عقیدے سے صراحتاً متصادم ہے۔

''قومی ریاست'' کا مغربی تصور

مغرب کا سیاسی نظام ''وطنی و قومی ریاست'' (nation-state) کے نظریے پر قائم ہے، اور اس نظریے پر قائم ہونے والی ریاست کی تمام تر دوڑ دھوپ کا محور اپنے وطن میں بسنے والی قوم کے مفادات کا تحفظ اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ دنیاوی فوائد و منافع کا حصول ہوتا ہے۔ یہ وطنی ریاست عوامی اکثریت کی رائے کے سوا کسی اصول و عقیدے اور اخلاق و اقدار کی پابند نہیں ہوتی، چیزوں کو حلال و حرام قرار دینے سمیت ہر قسم کی قانون سازی کثرتِ رائے کی بنیاد پر کرتی ہے اور وطنیت کو ہی معیار بناتے ہوئے انسانوں میں تفریق روا رکھتی ہے۔

''خلافت'' کا اسلامی تصور اور اس کی بنیادیں

مغرب کا عطا کردہ یہ سیاسی نظام اسلام کے سیاسی نظام سے یکسر مختلف اور اصولی اعتبار سے اس سے متصادم ہے۔ اسلام کا عطا کردہ نظامِ خلافت جن عقائد و تصورات پر کھڑا ہوتا ہے ان کا ایک مختصر سا تذکرہ ذیل کی سطور میں کیا جا رہا ہے:

۱) عقیدۂ توحید

اسلام کا عطا کردہ نظامِ حکمرانی توحید کے الہامی عقیدے پر مبنی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (النحل: ۳۶)

''اور ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا (اس پیغام کے ساتھ) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ پس ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا''۔

۲) غیر اللہ کی بندگی سے آزادی

اسلام کا عطا کردہ نظام تو اس اصول پر قائم ہے کہ انسان کو انسانوں کی غلامی و بندگی، بلکہ اللہ کے سوا ہر ہستی کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔ قرآن کریم نے ہود علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿قَالَ اِنِّیْ اُشْهِدُاللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ. مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ. اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (هود: ۵۴۔۵۶)

’’ہودؑ نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو۔ پس تم سب مل کر میرے خلاف تدابیر کرلو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو، میں تو اس اللہ پر توکل کرتا ہوں جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والی تمام مخلوق کو اس نے پیشانی سے پکڑ رکھا ہے، یقیناً میرا رب سیدھے راستے پر ہے‘‘۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ (الممتحنة: ۴)

’’یقیناً تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بے شک ہم بیزار ہیں تم سے بھی اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بھی، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے کھلی دشمنی اور نفرت ظاہر ہو چکی ہے‘‘۔

۳) تنہا ایک اللہ کی سمت یکسوئی

اسلام کے عطا کردہ نظام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بندگی کی ہر صورت اللہ ہی کے لیے خالص کی جائے، جس کا لازمی تقاضہ ہے کہ محبت کا محور بھی محض اللہ رب العزت کی ذات ہو اور اللہ ہی کے سامنے مکمل عاجزی و ذلت اختیار کی جائے۔ پس فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵)

’’اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں، جبکہ ایمان والے تو سب سے زیادہ شدت سے اللہ ہی سے

محبت رکھتے ہیں''۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَ نُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ. قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (الأنعام:۱۶۱۔۱۶۴)

''آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے، یعنی اس مستحکم دین کی طرف جو ابرہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، جو اللہ ہی کے لیے یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میری نمازیں، اور میری ساری عبادات، اور میرا جینا، اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے اسی بات کا حکم ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا پروردگار تلاش کروں حالانکہ وہی تو ہر چیز کا مالک ہے، اور جو کوئی (برا) کام کرے تو اس کا نقصان اُسی کو ہوتا ہے، اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا، پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں ان کی خبر دے گا''۔

۴) خلافت و نیابت، نہ کہ حاکمیت

اسلام کے عطا کردہ نظام کی اساس اس بات پر قائم ہے کہ اللہ مالک الملک نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو زمین پر خلیفہ اور نائب کی حیثیت دی ہے (نہ کہ حاکمِ حقیقی کی)۔ پس ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ (البقرۃ:۳۰)

''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں''۔

اور فرمایا:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ

الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (ص :۲۶)

''اے داوٗد! بے شک ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے، سوتم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا اور خواہشات کی پیروی مت کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گی''۔

۵) مقصدِ زندگی......عبادتِ رب کے ذریعے اخروی کامیابی کا حصول

اسلام کا عطا کردہ نظام اس عقیدے پر کھڑا ہے کہ انسان بنیادی طور پر اپنے رب کی عبادت و بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:۵۶)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

اس نظام کی تو بنیاد ہی یہ ہے کہ اس حیاتِ مستعار میں انسان کا اصل مقصد رب کی رضا اور اخروی کامیابی کا حصول ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (آل عمران:۱۸۵)

''ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، پس جو شخص جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ٹھہرا، اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے''۔

۶) محاسبہ کرنے والی اصل ذات......اللہ رب العالمین

اسلام کا عطا کردہ نظام اس احساس پر قائم ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین انسان کی تمام حرکات وسکنات اور ارادہ و نیّات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ پس فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ. مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (قٓ:۱۶۔۱۸)

''اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اس کے دل پر گزرتے ہیں ہم اُن سے بھی آگاہ

ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ جب بھی وہ کوئی کام کرتا ہے تو دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ جو بات بھی اس کی زبان پر آتی ہے (اسے درج کرنے کے لیے) ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے''۔

پس اگر انسان دنیا میں انسانوں کی قائم کردہ عدالتوں کی گرفت اور سزا سے بچ بھی نکلے تو آخرت میں اللہ کی عدالت کے فیصلے اور اس کی سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (التوبة: ۱۰۵)

''اور ان سے کہہ دو کہ عمل کیے جاؤ، اللہ اور اس کا رسول اور مومنین تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے۔ اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے خدائے واحد کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ سب تم کو بتا دے گا''۔

۷) امتِ مسلمہ کی اساسی ذمہ داری، دعوتِ دین کا ابلاغ

اسی طرح اسلام کا عطا کردہ نظام اس فہم پر مبنی ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت لوگوں تک پہنچانا اور ان پر حجت تمام کرنا اس امت کی ذمہ داری ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرة: ۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں''۔

۸) دعوت پھیلانے اور فتنہ مٹانے کے لیے جہاد و قتال

اسلام کے عطا کردہ نظام کے پیچھے یہ تصور بھی کارفرما ہے کہ امتِ مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ رب کا پیغام انسانوں تک پہنچائے اور اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے جہاد و قتال کرے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الأنفال: ۳۶)

''اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے

خالص ہو جائے''۔

۹) حاکمیتِ شریعت، عدل، شوریٰ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اسلامی اصول

امتِ مسلمہ شریعتِ الٰہیہ کی حاکمیت کے سنہرے اصول پہ مبنی نظامِ حکومت قائم کرتی ہے اور عدل و انصاف کے قیام، شوریٰ کے اسلامی تصور پر عمل درآمد اور فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بجا آوری کے ذریعے اپنے رب کی عبادت کرتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ﴾ (الحج:۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دیں تو یہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے''۔

اور جب شریعت پر عمل کیا جانے لگے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب دنیا میں بھی برکتیں نازل فرماتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الأعراف:۹۶)

''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے''۔

ہاں، یہ امر ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ امتِ مسلمہ جب بھی حکومت و سلطنت قائم کرتی ہے تو وہ اسے بنیادی طور پہ ایک عبادت سمجھتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے لیے قائم کرتی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِي لَا يُشْرِكُوْنَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النور:۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلافت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی اور ان کے دین کو، جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، مستحکم و پائیدار کردے گا اور خوف کے بعد انہیں امن بخشے گا، پس وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں گے، اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں''۔

اور فرمایا:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف:۴۰)

''حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے، اس نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت بجالاؤ، یہی مستحکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

۱۰) وطنی وقومی تعصّبات سے آزادی

اسلام کا عطا کردہ سیاسی نظام یعنی ''نظامِ خلافت'' انسانیت کے سامنے ایک ایسی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے جہاں ہر قسم کی وطنی نسبتوں اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر تمام اہلِ ایمان کے درمیان ایمانی اخوت کی بنیاد پر مساوات کے رشتے قائم ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾ (المؤمنون:۵۲)

''اور بے شک یہ تمہاری امت، ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم مجھ ہی سے ڈرو''۔

۱۱) عزت کا معیار......ایمان، تقویٰ اور عملِ صالح

یہ نظامِ خلافت اگر لوگوں کے درمیان کوئی تفریق روا رکھتا ہے تو محض ان کے ایمان، تقویٰ اور عملِ صالح کی بنیاد پر......نہ کہ کسی ملک کی شہریت یا ''ریاست'' نامی کسی بت سے وفاداری کی بنیاد پر! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے''۔

۱۲) فیصلوں کا ماخذ: شریعتِ الٰہیہ......نہ کہ کثرتِ رائے

خلافت کے اس نظام میں فیصلوں کے لیے اللہ کی نازل کردہ شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، نہ کہ غالب اکثریت کی رائے کی طرف۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ﴾ (المائدۃ:۴۹)

''اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجیے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے''۔

مغرب کے سیاسی تصورات کا تاریخی پس منظر

اسی طرح مغرب کے موجودہ سیاسی تصورات نے ان کے تاریخی ورثے سے جنم لیا ہے، جہاں ایک طرف ظالم وجابر حکمران اور ان کے حاشیہ نشین امراء و جاگیردار تھے تو دوسری طرف مظلوم ومقہور عوام الناس۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ان کے معاشروں میں ایک دوسری کشمکش بھی جاری تھی، جس میں ایک جانب کلیسا تھا جس نے انسانی عقل سے متصادم فرسودہ اقدار وتصورات اور بے اصل روایات گھڑ رکھی تھیں اور ایسے گھناؤنے کردار کا مظاہرہ کیا تھا جس کی تفصیلات سن کر انسانی ضمیر ان سے نفرت کرنے لگتا ہے......تو دوسری جانب مغربی اقوام اور ان کے وہ سائنس دان اور ماہرینِ فن تھے جو زمین وآسمان کے نئے افق اور بھید تلاش کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ لیکن اس جہان اور اس کی تخلیق سے متعلق کلیسا کی وہ 'مقدس' روایات جو کسی بھی تاریخی سند اور آسمانی دلیل سے محروم تھیں قدم قدم پر ان کی تحقیقات سے ٹکراتی تھیں۔

اس طویل کشمکش کے بعد جہاں جدید مغربی فکر نے کلیسا اور دین سے راہِ فرار اختیار کی...... وہیں اسلام، امتِ مسلمہ اور اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دشمنی کے صلیبی ورثے کو بھی پوری طرح سینے سے لگائے رکھا۔ دراصل جدید مغربی فکر تناقضات کا ایک عجیب مجموعہ ہے۔ ایک طرف تو یہ اپنی عقل کی بنیاد پر کلیسا، بلکہ خود دین سے بھی بیزار ہے لیکن دوسری طرف یہ جذباتی طور پہ اپنی صلیبی تاریخ سے پوری طرح وابستہ ہے اور اسے خود بھی ان جذبات کے اظہار میں کوئی باک نہیں۔

اسی تناقض کی بناء پر جدید مغربی فکر میں جہاں کلیسا کے استبداد سے نفرت اور اس کے نتیجے میں ہر قسم کے دین اور دین سے متعلقہ باتوں سے دشمنی نمایاں ہے، وہیں اسلام اور امتِ اسلام سے عداوت بھی اس

فکر کا ایک اہم وصف ہے۔ پس ایک جانب تو مغرب کلیسا کے غلبے کے دور کو ''قرونِ وسطیٰ کا عہدِ تاریک'' قرار دے کر اپنے ماضی سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے، اور دوسری جانب صلیبی روح کے حامل 'استبدادی' حملوں کے ساتھ اپنا تعلق بھی پوری طرح جوڑتا ہے اور انھی کے تسلسل میں آج بھی امت مسلمہ سے دشمنی جاری رکھے ہوئے ہے۔

امتِ مسلمہ میں اٹھنے والی بیداری کی لہر کا تاریخی پس منظر

اس سب کے بالمقابل ہم دیکھتے ہیں کہ امت مسلمہ ایک روشن و اجلی تاریخ کی حامل ہے جس میں توحیدِ خالص کی دعوت بھی ہے، جابر و متکبر سلطنتوں کے خاتمے کے لیے جہاد و قتال بھی اور شریعتِ الٰہی کی نشر و اشاعت کے لیے انتھک جدوجہد بھی۔ یہ وہ شریعت ہے جسے عقلِ سلیم قبول کرتی ہے اور قلبِ سلیم جس پر مطمئن ہوتا ہے۔ وہ پاکیزہ شریعت جو علم کی جستجو میں مگن علماء کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور انہیں اعلیٰ و ارفع رتبہ عطا کرتی ہے۔ پس یہی وہ روشن تاریخ ہے جس پر امتِ مسلمہ بجا طور پر فخر کرتی ہے، اور یہی وہ لازوال ماضی ہے جسے حال کے قالب میں ڈھالنے کے لیے یہ امت آج پھر سے کوشاں ہے۔ جب کہ اس کے برعکس موجودہ دور کے بیشتر مغربی مفکرین اپنے ماضی کو ''عہدِ تاریک'' سے تعبیر کر کے اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔

''لكم دينكم ولي دين!''

مغرب کی ایک الگ تاریخ اور ان خاص تاریخی حالات کے زیرِ اثر جنم لینے والے کچھ مخصوص تصورات ہیں جنہیں ہم سے یا ہمارے دین سے کوئی ادنیٰ سی بھی مناسبت نہیں! لہٰذا مسلم معاشروں میں پائے جانے والے مغربی تصورات کے حامل افراد اور گروہ قطعاً اس کے اہل نہیں کہ وہ امتِ مسلمہ کے لیے کسی بھی قسم کا دستور یا قانونی نظام وضع کریں۔ ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں کچھ عجیب مضحکہ خیز مرکب اور کفر و اسلام کے ملغوبے معرضِ وجود میں آتے ہیں جن سے فساد اور انحراف میں اضافے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وہ کہانی ہے جو پاکستان بننے کے بعد سے ساٹھ سال تک دہرائی جاتی رہی ہے۔ پاکستان کی سرزمین ہمیشہ بدلتے موسموں کے ساتھ رنگ بدلتی رہی ہے اور بالآخر آج اسلام کے خلاف لڑی جانے والی عالمی صلیبی صہیونی جنگ میں جنوبی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے سب سے بڑے امریکی اڈے میں تبدیل ہو چکی ہے۔

دستورِ پاکستان کا اصل مقصد: بین الاقوامی نظام کے تابع مغربی طرز کی ریاست کا قیام

دستورِ پاکستان کے بغور مطالعے سے مجھ پر یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اس دستور کو لکھنے والوں کے پیشِ نظر کسی اسلامی حکومت یا شرعی نظام کا قیام نہ تھا، بلکہ یہ دستور تو لکھا ہی اس لیے گیا تھا کہ اس کے ذریعے مغربی طرزِ حکمرانی پر عمل پیرا ایک ایسی ریاست قائم ہو جو اسلام دشمن ''بین الاقوامی نظام'' میں ضم ہو سکے...... وہ بین الاقوامی نظام جسے عیسائی طاقتوں نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس غرض سے قائم کیا تھا کہ وہ پوری دنیا کے انسانوں کو ان کا تابع فرمان بنائے اور ان کے مفادات کا پوری طرح تحفظ کرے۔ یہی وہ باطل بین الاقوامی نظام ہے جس نے امتِ مسلمہ سے فلسطین چھینا، اور یہی نظام آج تک آزادیٔ کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

دستور کے 'اسلامی' ہونے کا فریب!

دستورِ پاکستان کے مطالعہ سے مجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ یہ دستور کچھ ایسے مکر و فریب کے انداز میں لکھا گیا ہے کہ مسلم عوام سے شریعت کے نفاذ کا وعدہ بھی ہو جائے لیکن وہ وعدہ کبھی وفا بھی نہ ہو سکے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور داعی حضرات بھی اس دھوکے کا شکار ہو کر دستور کی تعریف و تقدیس بیان کرتے رہے (ہاں! اس میں کچھ شک نہیں کہ ان حضرات کا اس دستور سے نیا نیا واسطہ پڑا تھا اور ابھی اس کے عملی اثرات بھی پوری طرح واضح نہیں ہو پائے تھے لہٰذا غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا شاید کوئی امکان موجود تھا)...... البتہ اصل تعجب کے لائق تو ہمارے وہ فاضل دوست ہیں جو نفاذِ شریعت کے جھوٹے وعدوں کو ساٹھ (۶۰) سال گزر جانے کے بعد بھی وہی گھسے پٹے اوہام و اشکالات دہرائے چلے جا رہے ہیں اور آج تک دستورِ پاکستان کی اسلامیت کے فریب سے دامن نہیں چھڑا پائے۔

یہ وہ پاکستان نہیں!

آج یہ بات سب پر عیاں ہو چکی ہے کہ یہ وہ پاکستان نہیں جس کی تمنا ہند کے مسلمانوں کی اکثریت نے کی تھی...... یہ وہ سرزمین نہیں جس کے بارے میں خواب دیکھا گیا تھا کہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مرکز اور جائے پناہ بنے گی...... بلکہ اس کے برعکس یہ سرزمین تو برصغیر، جنوبی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی صلیبی جنگ میں سب سے اہم امریکی اڈے کا کام دے

رہی ہے۔ آج یہ امر ہر صاحبِ بصیرت پر عیاں ہوگیا ہے کہ پاکستان پر آغاز سے اب تک فاسد و مفسد طبقات ہی حکمرانی کرتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ مسلمانوں کے قاتل مشرف کے سیاہ دور سے گزرتا ہوا ''مسٹر ٹین پرسنٹ'' کے لقب سے مشہور، اموالِ مسلمین لوٹنے والے امریکی غلام زرداری کے عہدِ حکومت میں داخل ہوگیا ہے۔ (وہ زرداری جسے نہ صرف عسکری قوتوں کی حمایت حاصل ہے، بلکہ انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ متعدد دینی جماعتوں نے بھی انتخابات کے موقع پر اسی طرح اس کی تائید کی جیسا کہ اس سے پہلے ان جماعتوں نے پرویز کی آئینی ترامیم اور صدارتی انتخاب کے موقع پر اُس کا ساتھ دیا تھا)...... پس ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں پاکستان کے سیاسی نظام اور دستور کے حوالے سے جن نتائج تک پہنچ چکا ہوں وہ ضبطِ تحریر میں لاؤں۔ میری کوشش رہی ہے کہ اس بحث کے دوران غیر ضروری تفصیل اور پیچیدہ لغوی بحثوں سے احتراز کرتے ہوئے صرف اساسی مقصد کو پیش نظر رکھوں، تاکہ کتاب کا حجم زیادہ نہ بڑھے۔

کتاب کی وجۂ تسمیہ

اس کتاب کا نام میں نے ''الصبح والقندیل'' تجویز کیا ہے۔ یہ نام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہے گئے امام بوصیری رحمہ اللہ کے اشعار سے ماخوذ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اللّٰـــه أكبـــر إنّ دين محمـدٍ وكتـــابَـــه أقوٰى وأقـومُ قِيلا

طَلَعَت به شمسُ الهداية للوَرٰى وأبٰى لهــا وصفُ الكمالِ أُفُولا

والحقُ أبلجُ في شريعته التي جَمَعَت فروعاً للورٰى وأصولا

لاتذكروا الكتبَ السوالفَ عنده طلَعَ النّهارُ فأ طْفِئُوا القِنديلا

''اللہ اکبر! یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور آپ کی لائی ہوئی کتاب سب سے زیادہ قوی اور بات کے اعتبار سے سب سے زیادہ محکم ہے۔

آپ کی آمد کے ساتھ تمام مخلوق کے لیے ہدایت کا سورج طلوع ہوا، جس کا وصفِ کمال غروب سے نا آشنا ہے۔

آپ کی شریعت کی صورت میں حق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکا ہے، جس میں مخلوق کے لیے چھوٹی بڑی سب باتیں جمع کردی گئی ہیں۔

آپ کی جناب میں گزشتہ کتابوں کا تذکرہ مت کرو، کہ صبح طلوع ہو چکی ہے لہٰذا قندیلوں کو بجھا دو''۔

یہ نام میں نے اس لیے چنا ہے تاکہ فرنگی تہذیب کے فرزندوں کو یہ پیغام دے سکوں کہ چودہ سو سال قبل تمام انسانیت پر ہدایتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج طلوع ہو چکا ہے اور آج بھی پوری آب و تاب سے آسمانِ عالم پر چمک رہا ہے، لہٰذا اپنی کمزور قندیلیں اور چراغ بجھا دو۔ ہدایت کا سورج طلوع ہونے کے بعد بھی انہی چراغوں سے چمٹے رہنا اور انہی میں ہدایت ڈھونڈنا ان ''دانشورانِ''مغرب کا شیوہ ہے جو عصرِ حاضر بھی جاہلیت کے اندھیروں میں گزار رہے ہیں۔

اسی طرح اس نام میں اسلامی جماعتوں کے کارکنان اور داعیانِ دین کے لیے بھی ایک پیغام پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ اے داعیانِ دین! آپ لوگوں کو تو پورے دن کی روشنی میسر ہے، آفتابِ شریعت اپنی کرنیں آپ پر بکھیر رہا ہے...... آخر آپ کو مغرب کے اندھیرے چراغوں کے پیچھے چلنے کی کیا حاجت؟ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ شریعت کی روشن تعلیمات چھوڑ کر باطل مغربی افکار و نظریات عام کرنے والے دانشوروں کی باتوں پر کان دھرنے لگے ہیں؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی حماقت، کم فہمی اور اوقات و وسائل کا ضیاع ہوگا کہ آپ ان بھٹکے ہوئے لوگوں کی قیادت سنبھالنے کی بجائے الٹا انہی کے پیچھے چلنے لگیں؟ آپ تو روزِ روشن کے نقیب ہیں، آپ کو ان کی قندیلوں سے کیا سروکار......؟

اختتامی کلمات

بلاشبہ یہ ناانصافی ہوگی اگر میں یہاں ان محترم بھائیوں کا شکریہ نہ ادا کروں جن کی خدمت میں میں نے اس کتاب کا مسوّدہ پیش کیا اور انہوں نے اس پر اپنی قیمتی آراء و افادات سے نوازا۔ بالخصوص فضیلة الشيخ عطية الله (حفظه الله) اور فضيلة الشيخ ابو يحيٰى (حفظه الله) نے اس سلسلے میں میری بہت مدد کی۔ ان کے علاوہ بھی کچھ بھائیوں نے اس سلسلے میں کافی معاونت کی اور اگر ان کا نام لے کر تذکرہ کرنے میں حرج کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ان کا نام لیتا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام بھائیوں کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

آخری گزارش یہ ہے کہ یہ کتاب ایک ادنیٰ سی کاوش ہے، قارئین سے درخواست ہے کہ کمی و کوتاہی کے باوجود اسے قبول فرمائیں۔ اس کی خطاؤں کی اصلاح کر دیں، اس کی غلطیوں کو درست کر دیں اور اس

کی کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں۔ اس کتاب میں اگر کوئی خوبی ہے تو صرف اللہ کی توفیق اور اس کے احسان کا نتیجہ ہے اور اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو وہ میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہے۔

﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ (ھود:۸۸)

''میں تو اپنی بساط بھر اصلاح ہی کا ارادہ رکھتا ہوں، اور (اس حوالے سے) مجھے توفیق ملنا محض اللہ ہی (کے فضل) سے ہے، اُسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔

میں ہر اُس شخص کو جسے اس کتاب میں کوئی فائدہ یا بھلائی نظر آئے اس کی نشر و اشاعت، ترجمہ، استفادہ اور اس کے اقتباسات نقل کرنے کی اجازت دیتا ہوں، بشرطیکہ ایسا کرنے سے اس کتاب کے مقاصد میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

أيمن الظواهري

ذو القعدة ۱۴۲۹ھ۔ نومبر ۲۰۰۸ء

باب اول

حاکمیت کس کا حق ہے؟

اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے

قانون سازی کو محض اللہ مالک الملک ہی کا حق سمجھنا اسلامی عقائد کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے اور قرآنِ کریم کی بہت سی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف:۴۰)

''حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے، اُس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اُسی کی عبادت بجالاؤ، یہی مستحکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ. اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (المآئدۃ:۴۸۔۵۰)

''اور (اے پیغمبر علیہ السلام) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اس سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُن پر نگہبان ہے، پس آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اُس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن جو حکم اُس نے تمہیں دیئے

وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں بتلا دے گا۔ اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ اے نبیؐ! آپ) ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور اس سے خبردار رہیے کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو ہٹا نہ دیں۔ پھر اگر یہ نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے، اور یقیناً لوگوں کی اکثریت تو فاسقوں پر مشتمل ہے۔ (اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منہ موڑتے ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہے"۔

پس اگر کوئی قوم، جماعت، معاشرہ، حکومت یا نظام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور احکامِ اسلام پر کاربند ہیں تو ضروری ہے کہ وہ قانون سازی اور فیصلہ کرنے کا حق بھی اللہ ہی کے لیے خالص کریں۔ اور اگر ان میں سے کوئی گروہ یہ زعم بھی رکھتا ہے کہ وہ مسلم ہے لیکن اللہ رب العزت کا یہ حق تسلیم کرنے سے بھی انکاری رہتا ہے اور اپنے معاملات میں شریعت کی طرف رجوع بھی نہیں کرتا...... تو اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح فیصلہ فرما دیا ہے کہ وہ قطعاً مومن نہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:۶۵)

"تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک (اے نبیؐ) تمہیں اپنے باہمی تنازعات میں منصف نہ بنالیں اور جو فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں"۔

پاکستان میں قانون سازی کا حق مطلقاً پارلیمانی اکثریت کو حاصل ہے

درج بالا اسلامی عقیدے کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں قانون سازی اور فیصلے کا حق کس کے پاس ہے؟ کیا یہ حق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے مختص ہے؟ یا یہ اس پارلیمان کی غالب اکثریت کا حق ہے جسے یہ 'مجلسِ شوریٰ' کے نام سے بھی پکارتے ہیں؟

اس نہایت اہم سوال کا حتمی جواب ہمیں ریاستِ پاکستان کی اساسی قانونی دستاویزات میں ملتا ہے۔ چنانچہ جب ہم دستورِ پاکستان پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو بقول ان کے ''ابوالقوانین'' ہے، تو اس میں یہ بات پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ درج ہے کہ دستور میں ترامیم کرنے اور نئے قوانین صادر کرنے کا حق نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

لہٰذا دستور کے عطا کردہ حق کے مطابق اگر یہ لوگ چاہیں تو پاکستان کا نام ''اسلامی جمہوریۂ پاکستان'' رکھ دیں، اور اگر یہی لوگ چاہیں تو دوتہائی اکثریت کے ساتھ اس کا نام تبدیل کر کے ''امریکی جمہوریۂ پاکستان'' یا ''مسیحی جمہوریۂ پاکستان'' رکھ دیں...... ان کے اکثریتی فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح اگر نمائندگانِ پارلیمان چاہیں تو ''وفاقی شرعی عدالت'' قائم کر دیں، اور اگر چاہیں تو ''وفاقی غیر شرعی عدالت'' قائم کر دیں، ان کو مکمل حق حاصل ہے۔ اسی طرح اگر یہ چاہیں تو دستور کو مکمل تبدیل کر کے اس میں سے وہ مواد بھی حذف کر دیں جس کی بناء پر دستورِ پاکستان یا ریاستِ پاکستان کے اسلامی ہونے کا شبہہ پیدا ہوتا ہے...... یہ ان کا حق ہے جس کی ضمانت خود دستور انہیں فراہم کرتا ہے۔

دستور کی دفعہ ۲۳۸ واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ پارلیمان کو دستور میں ترمیم کا حق حاصل ہے۔[۱] جبکہ دفعہ ۲۳۹ میں آئینی ترمیم کے لئے دوتہائی اکثریت کی شرط لگائی گئی ہے۔ اسی دفعہ کے تحت پانچویں اور چھٹے بند میں دو انتہائی اہم باتیں نصاً مذکور ہیں:

پہلی بات یہ کہ کسی بھی آئینی ترمیم کے خلاف کسی سطح کی عدالت میں کسی بنیاد پر اعتراض کرنا ممکن نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہر قسم کے شک کو رفع کرنے کے لیے یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ مجلسِ شوریٰ (یعنی پارلیمان) کو دستور کی دفعات میں ترمیم کا لامحدود اختیار حاصل ہے۔[۲]

ممکنہ شبہات اور ان کا رد

یہاں دو شبہات وارد ہو سکتے ہیں:

پہلا شبہہ: مسلم معاشرے کی مصلحت کے لیے ہی مسلم نمائندگان دستور سازی کرتے ہیں

ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرنے والا یہ کہے کہ آخر اس بات میں حرج ہی کیا ہے کہ ''مسلم عوام کے نمائندگان'' باہمی مشورے سے ''مسلم معاشرے کی مصلحت'' کی خاطر دستور سازی کریں؟

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ دستور کی مذکورہ نصوص میں ایسی کوئی قید نہیں لگائی گئی جو اس اعتراض میں ذکر کی گئی ہیں؛ یعنی نہ تو اس میں ''مسلم معاشرے'' کا ذکر ہے اور نہ اس کی ''مصلحت'' کا۔ یہ نصوص تو دستور میں ترمیم کے لیے دو تہائی اکثریت کے اتفاق کے علاوہ کوئی شرط نہیں لگاتی ہیں اور پھر نہایت تاکید کے ساتھ دو تہائی ارکانِ پارلیمان کے آئینی ترمیم کے حق کا بھرپور تحفظ بھی کرتی ہیں۔

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ دستورِ پاکستان کے تحت تمام امور میں قبول ورد کا حتمی فیصلہ نمائندگانِ پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو حاصل ہے۔ دستور کا یہ اصول شریعت کے بالکل منافی ہے۔ اسلام تو ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ یہ مقام صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کو حاصل ہے کہ اس کے ہر حکم کو بلا نزاع قبول کیا جائے، ہر اس قانون، حکم یا ضابطے کو رد کر دیا جائے جو شریعت کے موافق نہ ہو اور کسی کا بھی یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ خلافِ شریعت فیصلہ کرے...... خواہ اس فیصلے کو دو تہائی اکثریت بلکہ پورے پارلیمان کی اجماعی تائید ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

دوسری بات یہ کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ مسلم معاشرے کے نمائندے اپنے قوانین یا دستور کی نصوص میں ترمیم واصلاح کریں بشرطیکہ یہ سارا عمل اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے انجام پائے، لیکن دستور میں تو ایسی کوئی شرط مذکور نہیں۔ پاکستان کا دستور تو الٹا اس بات پر زور دیتا نظر آتا ہے کہ دو تہائی اکثریت کو دستور میں ہر قسم کی ترمیم کا حق حاصل ہے، اور غالب اکثریت کے فیصلے پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں۔

دوسرا شبہہ: شریعت سے متصادم قوانین کو دور کرنے کے لیے وفاقی شرعی عدالت تشکیل پا چکی ہے

ممکن ہے کہ کوئی دوسرا معترض یہ کہے کہ دستور نے وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ قرآن و سنت سے متصادم ہر قانون کو رد کر دے۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب تو آگے چل کر وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے تحت آئے گا، لیکن سرِ دست صرف اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ اس عدالت کو بھی دیگر عدالتوں کی طرح دستور کی دفعات پر نگاہ ڈالنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ یہ اس کے دائرۂ اختیار سے ہی باہر ہے اور یہ بات دستور میں پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

حواشی

۱؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"Subject to this Part, the Constitution may be amended by Act of [Majlis-e-Shoora(Parliament)]". [CONSTITUTION OF PAKISTAN, PART XI Amendment of Constitution, Article 238].

۲؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"(5) No amendment of the Constitution shall be called in question in any court on any ground whatsoever.

(6) For the removal of doubt, it is hereby declared that there is no limitation whatever on the power of the Majlis-e-Shoora (Parliament) to amend any of the provisions of the Constitution" [CONSTITUTION OF PAKISTAN, PART XI Amendment of Constitution, Article 239].

۱۰ حاکمیت الہی صرف اللہ کے لیے خاص ہے

۲ پال ان اللہ کے نازل کردہ قانون کو نہ نظر بحث لا سکتی ہے اور نہ اس پڑیں ترمیم کرسکتے ہے

۳ وفاقی شرعیہ عدالت پرلمان کے کسی بہیقانون کو تبدیل اور ترمیم کا اختیار ہی نہی رکتی

Sovereignty belongs to Allah only

Parliament should have no right to discuss Islamic laws

Shariat court cannot discuss any bill that the parliament passes.

باب دوم

دستورِ پاکستان اور شریعتِ اسلامی کے مابین تضادات

اس باب میں ہمارا کلام دو فصلوں پر منقسم ہوگا:

پہلی فصل: شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذات خود صرف فسق ہو

دوسری فصل: دستورِ پاکستان میں موجود خلافِ شریعت قوانین کی مثالیں

پہلی فصل

شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذاتِ خود صرف فسق ہی ہو

تمام علمائے اسلام کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حکمِ شریعت ہے کہ کسی ایسے کام کو حلال قرار دینا جس کی حرمت پر اجماع ہو یا کسی ایسے کام کو حرام قرار دینا جس کی حلت پر اجماع ہو، یا کسی اجماعی حکمِ شرعی کو تبدیل کر ڈالنا کفر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شراب یا زنا یا چوری یا لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنا حلال ہے تو اس نے کفر کیا...... چاہے وہ خود نہ تو شراب پیتا ہو، نہ زنا کرتا ہو، نہ چوری کرتا ہو، اور نہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے برخلاف فیصلہ دیتا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نماز پڑھنا یا زکوٰۃ دینا حرام ہے یا یہ کہے کہ نماز اور زکوٰۃ فرائضِ اسلام میں سے نہیں تو وہ بھی کافر ہے اگرچہ وہ خود پانچ وقت نماز پڑھتا ہو اور پابندی سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو۔ اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ قانون سازی کا حق صرف اللہ وحدہٗ لا شریک کے لیے خاص نہیں بلکہ یہ حق پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو یا کسی اور کو بھی حاصل ہے تو اس نے بھی کفر کیا اگرچہ اس نے عملاً کبھی بھی شریعت کے مخالف قانون سازی نہ کی ہو۔ اسی طرح جو شخص ایسے قانون بنائے جو شریعت سے متصادم ہوں یا جو شریعت سے بالا فیصلے کرنے کا اختیار دیں یا شرعی احکام رد کرنے یا ان پر نظرِ ثانی کرنے کا حق تفویض کریں، تو یہ شخص بھی کافر ہے۔

دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے میں اس عظیم شرعی اصول کی وضاحت کے لیے بعض دلائل مختصراً ذکر کرنا چاہوں گا:

(الف) شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومعلوم۔ بالاضطرار من دین المسلمین۔ و باتفاق جمیع المسلمین أن من

سوغ اتباع غير دين الإسلام أو اتباع شريعة غير شريعة محمد ـ صلى الله عليه وسلم ـ فهو كافر، وهو ككفر من آمن ببعض الكتاب وكفر ببعض الكتاب، كما قال تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً. أُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً﴾ (النساء: ۱۵۰۔۱۵۱)".

"یہ امر تو بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک ضروریاتِ دین (دین کے وہ مسائل جن کا علم ہر مسلمان کو ہونا لازم ہے) میں شامل ہے کہ جو شخص دینِ اسلام کے سوا کسی اور دین یا شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور شریعت کی پیروی کو جائز قرار دے وہ کافر ہے۔ اس شخص کا کفر بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کتابُ اللہ کے بعض حصے پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض باتوں پر ایمان لائے اور بعض کا ہم نے انکار کیا، اور وہ ایمان و کفر کے بیچ کی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ پکے کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے رسواکن عذاب تیار کررکھا ہے﴾"[۱]

(ب) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (المآئدة: ۵۰)

"(اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منہ موڑتے ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہے"۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ينكر تعالى على من خرج عن حكم الله المُحكم المشتمل على كل خير، الناهي عن كل شر، و عدل إلى ما سواه من الآراء و الأهواء والاصطلاحات، التي وضعها الرجال بلا مستند من شريعة الله، كما كان أهل الجاهلية

یحکمون به من الضلالات والجهالات، مما یضعونها بآرائهم وأهوائهم، وکما یحکم به التتار من السیاسات الملکیة المأخوذة عن ملکهم جنکز خان، الذي وضع لهم الیَساق، وهو عبارة عن کتاب مجموع من أحکام قد اقتبسها عن شرائع شتی، من الیهودیة والنصرانیة والملة الإسلامیة، وفیها کثیر من الأحکام أخذها من مجرد نظره وهواه، فصارت في بنیه شرعاً متبعاً، یقدمونها علی الحکم بکتاب الله و سنة رسوله صلی الله علیه و سلم. و من فعل ذلك منهم فهو کافر یجب قتاله، حتی یرجع إلی حکم الله ورسوله، فلا یحکم سواه في قلیل ولا کثیر''.

''یہاں اللہ تعالیٰ نے اُس شخص پر گرفت کی ہے جو اللہ کے ان محکم احکامات سے روگردانی اختیار کرتا ہے جو ہر خیر پر مشتمل ہیں اور ہر شر سے روکنے والے ہیں، پھر ان احکاماتِ الٰہیہ کو چھوڑ کر اُن آراء و خواہشات اور اصطلاحات کی پیروی کرنے لگتا ہے جنہیں انسانوں نے وضع کیا ہو اور جن کی پشت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔ یہ شخص بالکل دورِ جاہلیت کے ان لوگوں کی مانند ہے جو اپنی آراء و خواہشات پر مبنی گمراہیوں اور جہالتوں کی روشنی میں فیصلے کرتے تھے، یا ان تاتاریوں کی مانند جو اپنے بادشاہ چنگیز خان کی وضع کردہ کتاب 'یاسق' کو فیصلہ کن مانتے ہیں۔ یہ کتاب مختلف شریعتوں سے اخذ کردہ احکامات کا مجموعہ ہے، کچھ احکام یہودیت سے ماخوذ ہیں، کچھ نصرانیت اور اسلام سے، اور بہت سے احکامات محض اس کے ذاتی نظریات و خواہشات کے نمائندہ ہیں۔ یہ مجموعہ اس کی اولاد کے نزدیک ایک ایسی لائقِ تقلید شریعت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جسے یہ کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ پس ان میں سے جو شخص بھی ایسا کرے وہ کافر ہے اور اس سے قتال کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی طرف لوٹ آئے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں انہی کو حاکم جانے''۔[۲]

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''أقول: أفیَجُوز في شرع الله تعالی أن یُحکم المسلمون فی بلادهم بتشریع

مقتبس عن تشريعات أوربا الوثنية الملحدة؟ بل بتشريع تدخله الأهواء والآراء الباطلة، يغيّرونه و يبدلونه كما يشاؤون، لا يبالي واضعه أَوَافق شِرعة الإسلام أم خالفها؟ إن المسلمين لم يُبلوا بهذا قط ـ فيما نعلم من تاريخهم ـ إلّا في ذلك العهد عهد التتار، وكان من أسوأ عهود الظلم والظلام ومع هذا فإنهم لم يخضعوا له، بل غلب الإسلام التتار، ثم مزجهم فأدخلهم في شِرعته، وزال أثر ما صنعوا بثبات المسلمين على دينهم و شريعتهم، وبما أن الحكم السيئ الجائر كان مصدره الفريق الحاكم إذ ذاك، لم يندمج فيه أحد من أفراد الأمم الإسلامية المحكومة، و لم يتعلّموه و لم يعلّموه أبنائهم، فما أسرع ما زال أثره، أفرأيتم هذا الوصف القوي من الحافظ ابن كثير ـ في القرن الثامن ـ لذاك القانون الوضعي، الذي صنعه عدو الإسلام جنكيز خان؟ ألستم ترونه يصف حال المسلمين في هذا العصر، في القرن الرابع عشر الهجري؟ إلّا في فرق واحد أشرنا اليه آنفاً:أن ذلك كان في طبقة خاصة من الحكام أتى عليها الزمن سريعاً فاندمجت في الأمة الاسلامية وزال أثر ما صنعت، ثم كان المسلمون الآن أسوأ حالاً، و أشد ظلماً وظلاماً منهم، لأن أكثر الأمم الاسلامية الآن تكاد تندمج في هذه القوانين المخالفة للشريعة، و التي هي أشبه شيء بذاك "الياسق" الذي اصطنعه رجلٌ كافرٌ ظاهرُ الكفر، هذه القوانين التي يصطنعها ناس ينتسبون للإسلام، ثم يتعلّمها أبناء المسلمين و يفخرون بذلك آباءً وأبناء، ثم يجعلون مردّ أمرهم إلى معتنقي هذا "الياسق العصري" و يُحَقِّرون من يخالفهم في ذلك، و يسمون من يدعوهم إلى الاستمساك بدينهم وشريعتهم "رجعيًا" و"جامدًا" إلى مثل ذلك من الألفاظ البذيئة، بل إنهم أدخلوا أيديهم فيما بقي في الحكم من التشريع الإسلامي، يريدون تحويله إلى "ياسقهم" الجديد بالهوينا واللين تارة، و بالمكر والخديعة تارة، وبما ملكت أيديهم من السلطات تارات، و يصرّحون ولا يستحيون بأنهم

يعملون على فصل الدولة من الدين! أفيجوز إذن - مع هذا - لأحد من المسلمين أن يعتنق هذا الدين الجديد، أعني التشريع الجديد؟ أَوَيَجوز لرجل مسلم أن يليَ القضاء في ظل هذا ''الياسق العصري'' وأن يعمل به ويُعرِض عن شريعته البيّنة؟ ما أظنّ أن رجلاً مسلماً يعرف دينه و يؤمن به جملة وتفصيلاً ويُؤمن بأن هذا القرآن أنزله الله تعالى على رسوله ﷺ كتاباً مُحكماً لا يأتيه الباطل من بين يديه، ولا من خلفه، وبأن طاعته وطاعة الرسول ﷺ الذي جاء به واجبة قطعية الوجوب في كل حال، ما أظنه يستطيع إلّا أن يجزم غير متردد ولا متأول، بأن ولاية القضاء في هذه الحال باطلة بطلاناً أصلياً، لا يلحقه التصحيح ولا الإجازة، إن الأمر في هذه القوانين الوضعية واضح وضوح الشمس، هي كُفرٌ بواح، لا خفاء فيه ولا مداورة، ولا عذر لأحد ممن ينتسب للاسلام - كائناً من كان - في العمل بها، أو الخضوع لها أو إقرارها، فليحذر امروٌ لنفسه، و كل امرئٍ حسيبُ نفسه''.

''میں کہتا ہوں: کیا اللہ تعالیٰ کی شریعت میں یہ بات جائز ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں کے ممالک میں شرکیہ وملحدانہ یورپی قوانین سے ماخوذ قانون کی حکمرانی ہو؟ یا ایسے قانون کی جس میں انسانی خواہشات اور باطل آراء کا دخل ہو، قانون بنانے والے جیسے چاہیں انہیں بدل دیں اور انہیں اس کی ذرا پرواہ نہ ہو کہ ان کے وضع کردہ قوانین شریعت کے موافق ہیں یا مخالف؟ ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں کو تاتاریوں کے دور کے علاوہ کبھی اپنی پوری تاریخ میں اس طرح کی آزمائش کا سامنا نہیں رہا؛ اور یہ دورِ تاتار بھی ہماری تاریخ میں ظلم اور ظلمتوں کا بدترین دور تھا۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان اس فتنے کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے تھے بلکہ بالآخر اسلام ہی تاتاریوں پر غالب آیا تھا اور اسلام نے انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر شریعت کے دائرے میں داخل کیا تھا۔ نیز مسلمانوں کے اپنے دین وشریعت پر جمے رہنے کے سبب تاتاری عہد کے اثرات جلد ہی زائل ہوگئے تھے۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اُس وقت کے ان تمام ظالمانہ اور باطل احکامات کا مصدر صرف حکمران طبقہ تھا جب کہ امتِ مسلمہ کے محکوم افراد اس عمل

میں قطعاً شریک نہ تھے، نہ تو انہوں نے اس قانون کو سیکھا اور نہ ہی اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دی، لہٰذا بہت جلد ہی اس قانون کے اثرات زائل ہو گئے۔

کیا آپ نے ملاحظہ کیا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے آٹھویں صدی ہجری میں دشمنِ اسلام چنگیز خان کے وضع کردہ اس قانون کے حوالے سے کس قدر واضح اور محکم مؤقف اختیار کیا ہے؟ کیا بالکل یوں نہیں محسوس ہوتا گویا وہ چودھویں صدی ہجری کے مسلمانوں کا حال بیان کر رہے ہوں؟ البتہ دونوں زمانوں میں ایک فرق ضرور ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ وہ فرق یہ ہے کہ اُس وقت یہ مرض صرف ایک حکمران طبقے کے ساتھ خاص تھا جو تھوڑے ہی عرصے میں امت کے رنگ میں رنگا گیا اور اس کے منفی اثرات امت پر سے جلد زائل ہو گئے۔ اس کے برعکس آج امتِ مسلمہ کی اکثریت ان خلافِ شریعت قوانین کو اپنا چکی ہے۔ پس اِن کا حال اُس وقت کے مسلمانوں کی نسبت بدرجہا برا ہے اور یہ ان سے کہیں زیادہ ظلم و ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آج کے یہ خود ساختہ قوانین و دساتیر بھی اس زمانے کی 'یاسق' کے مشابہ ہیں، البتہ (یہ فرق ضرور ہے کہ) اسے ایک ایسے کافر نے وضع کیا تھا جس کا کفر بالکل عیاں تھا، جبکہ آج کے یہ قوانین ایسے لوگ وضع کرتے ہیں جو بظاہر اسلام کی طرف منسوب ہیں۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کی نئی نسلیں اسی قانون کی تعلیم حاصل کرتی ہے، چھوٹے بڑے سبھی اس پر فخر کرتے ہیں، اور پھر اس ''دورِ جدید کے یاسق'' کو ماننے اور اپنانے والوں کو سر آنکھوں پر بٹھاتے اور اعلیٰ عہدوں سے نوازتے ہیں۔ اس کے برعکس جو کوئی ان کے اس طرزِ عمل کی مخالفت کرے تو یہ اسے حقیر جانتے ہیں، اور جو (ان جاہلی قوانین کو چھوڑ کر) دین اور شریعت کو تھامنے کی دعوت دے اسے ''رجعت پسند'' اور ''تنگ نظر'' جیسے گھٹیا الفاظ سے پکارتے ہیں۔ یہ تو حیا سے اس قدر عاری ہو چکے ہیں کہ ان خود ساختہ قوانین میں موجود باقی ماندہ شرعی احکامات بھی ان کی دست درازی سے محفوظ نہیں۔ چنانچہ کبھی نرمی اور لطافت، کبھی مکر و فریب اور کبھی جبر و استبداد کا اسلوب استعمال کرتے ہوئے یہ مستقل کوشاں رہتے ہیں کہ کسی طرح ان باقی ماندہ شرعی احکامات کو بھی تبدیل کر کے (خالص کفری احکامات پر مشتمل) ایک جدید یاسق تشکیل دیں۔ اب تو یہ اس بات کا اعلان کرنے سے بھی نہیں شرماتے کہ ہم دین و سیاست کو علیحدہ کرنے کے لیے کوشاں

ہیں! کیا اس سب کے بعد بھی کسی مسلمان کے لیے یہ جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اس ''دینِ جدید''......یعنی انسانوں کے وضع کردہ ان جدید قوانین......کو قبول کرلے؟ کیا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز ہوسکتا ہے کہ وہ شریعت کی واضح تعلیمات سے منہ موڑ کر ''عصرِ حاضر کی یاسق'' تلے قاضی بننا قبول کرلے اور اس نئے دین پر عمل کرنے لگے؟

ہر وہ مسلمان جو اپنے دین کی معرفت رکھتا ہو، اجمالاً و تفصیلاً اُس پر ایمان رکھتا ہو، اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک محکم کتاب کی صورت میں نازل فرمایا اور باطل کے اس میں درآنے کی کوئی گنجائش نہیں، اور اس پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ اس کتاب اور اسے لانے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ہر حال میں قطعی طور پر واجب ہے......اس کے بارے میں تو میرا گمان یہی ہے کہ وہ بغیر کسی تردّد یا تاویل کے پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہے گا کہ: ایسے قوانین کے تحت قاضی بننا سرے سے باطل ہے جس کے جائز یا صحیح ہونے کی قطعاً کوئی صورت نہیں۔ یقیناً ان ''وضعی قوانین'' (خودساختہ قوانین) کا معاملہ اظہر من الشّمس ہے۔ ان قوانین کا کفریہ قانون ہونا اتنا واضح اور بیّن امر ہے جس میں کسی شک و تردد کی کوئی گنجائش نہیں۔ پس اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے کسی بھی شخص کے لیے......خواہ وہ کوئی بھی ہو......ان قوانین پر عمل کرنے، ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے یا انہیں ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس فتنے سے بچنے کی فکر کرے اور ہر شخص خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہے''۔[۳]

(ج) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا یہ لوگ ایسے شریکانِ خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کردیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ اور اگر فیصلے (کے دن) کا وعدہ نہ ہوتا تو (اب تک) ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا، اور یقیناً ظالموں کے لئے (اس دن) دردناک عذاب ہے''۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أي: هم لا يتبعون ما شرع الله لك من الدين القويم، بل يتبعون ما شرع لهم شياطينهم من الجن والإنس، من تحريم ما حرموا عليهم، من البحيرة والسائبة والوصيلة والحام، وتحليل الميتة والدم والقمار، إلى نحو ذلك من الضلالات والجهالة الباطلة، التي كانوا قد اخترعوها في جاهليتهم، من التحليل والتحريم، والعبادات الباطلة، والأقوال الفاسدة“.

”یعنی یہ اس دینِ قویم کی پیروی چھوڑ کر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مقرر فرمایا ہے، ان قوانین کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے شیاطینِ جن وانس نے ان کے لیے مقرر کیئے ہیں۔ ان باتوں میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کا حرام قرار دیا جانا اور مردار، خون اور جوئے کا حلال ٹھہرایا جانا بھی شامل ہے۔ یہ قوانین دورِ جاہلیت میں گھڑے گئے ایسے ہی دیگر گمراہ کن، باطل اور جاہلانہ امور پر مشتمل ہیں، جن میں بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا گیا ہے، نیز بعض فاسد اقوال اور بعض باطل عبادات کو شامل کیا گیا ہے“۔[۴]

(د) امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

” أتيت النبي صلى الله عليه و سلم، وفي عنقي صليب من ذهب، فقال:”يا عدي. اطرح عنك هذا الوثن“. و سمعته يقرأ في سورة البراءة ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّٰهِ﴾ قال:”أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئاً استحلوه، و إذا حرموا عليهم شيئاً حرموه“.

”میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے عدی! اس بت کو اتار پھینکو“۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتِ برأت (سورۂ توبہ) کی یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا: ﴿انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا﴾

اس کی تفسیر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ (اہلِ کتاب) ان (علماء اور درویشوں) کی (باقاعدہ) عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ لوگ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام ٹھہرادیتے تو یہ اسے حرام سمجھ لیتے (پس یہ تحلیل وتحریم کا حق انہیں تفویض کرنا ہی گویا ان کی عبادت کرنا ہے)''۔[۵]

اس حدیث میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدیؓ بن حاتم کے سامنے یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نصاریٰ کو مشرکین میں اس لیے نہیں شمار فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی بجائے اپنے علماء ومشائخ کے لیے مراسمِ عبودیت بجالاتے تھے، بلکہ انہیں اس لیے مشرک قرار دیا ہے کہ جب یہ علماء اللہ کی کتاب میں بیان کردہ حلال کو حرام یا اس میں بیان کردہ حرام کو حلال قرار دیتے تو نصاریٰ یہاں بھی ان کی پیروی کرتے تھے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا گمان تھا کہ عبادت کا مفہوم صرف نماز، روزے جیسے مراسمِ عبودیت تک محدود ہے۔ پس چونکہ نصاریٰ نماز اور روزے جیسی عبادات اپنے علماء اور درویشوں کے لیے نہیں (بلکہ اللہ ہی کے لیے) ادا کرتے تھے اس لیے حضرت عدیؓ نے یہی سمجھا کہ یہ اللہ کے سوا کسی کو رب نہیں مانتے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس شبہہ کو زائل کرتے ہوئے ان پر واضح کیا کہ جب عیسائیوں کے علماء نے حرام یا حلال قرار دینے کے معاملے میں شریعت کی مخالفت کی اور اس کے باوجود بھی عیسائیوں نے ان کی اطاعت کی تو گویا انہوں نے اپنے علماء ومشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنالیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عن أبي البختري قال: قيل لحذيفة أرأيت قول الله اتخذوا أحبارهم؟ قال: أما إنهم لم يكونوا يصومون لهم و لا يصلون لهم، و لكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئاً استحلوه، و إذا حرموا عليهم شيئاً أحله الله لهم حرموه، فتلك كانت ربوبيتهم''.

''ابو البختری سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اللہ

رب العزت کے اس فرمان ''اتخذوا احبارھم...... ''کا معنی کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

اہلِ کتاب ان (علماء ومشائخ) کے لیے نماز، روزے جیسی عبادات نہیں بجالاتے تھے بلکہ جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال جانتے اور جب وہ ان کے لیے اللہ کی حلال کردہ کوئی چیز حرام قرار دیتے تو یہ اسے حرام سمجھ لیتے، پس یہی تو ان کو رب بنانا ہے!''

......امام سدیؒ سے منقول ہے کہ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لم یأمروھم أن یسجدوا لھم، و لکن أمروھم بمعصیة اللہ فأطاعوھم، فسماھم اللہ بذلك أرباباً''.

''ان علماء اور درویشوں نے اہلِ کتاب کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ انہیں سجدہ کریں، بلکہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا تھا......اور انہوں نے پھر بھی ان کی اطاعت کی اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں 'رب' قرار دیا''۔[6]

اس فہم پر سلفِ صالحین اور آئمہ اسلام کا اجماع ہے۔ بطورِ نمونہ ان میں سے بعض کے اقوال میں یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔

امام ابو بکر الجصاص الحنفي رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وإنما وصفھم اللہ تعالی بأنھم اتخذوھم أرباباً، لأنھم أنزلوھم منزلة ربھم وخالقھم في قبول تحریمھم وتحلیلھم، لما لم یحرمه اللہ، ولم یحلله، ولا یستحق أحد أن یطاع بمثله إلا اللہ تعالی، الذي ھو خالقھم. والمکلفون کلھم متساوون في لزوم عبادة اللہ واتباع أمره وتوجیه العبادة إلیه دون غیره''.

''اللہ تعالیٰ نے ان (اہلِ کتاب) کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء و درویشوں کو رب بنالیا تھا، کیونکہ انہوں نے چیزوں کو حلال وحرام قرار دینے کے معاملے میں انہیں اپنے رب اور خالق جیسا مقام عطا کیا تھا۔ (پس یہ اپنے علماء ومشائخ کے حلال کردہ کو حلال اور ان کے حرام کردہ کو حرام مانتے تھے) خواہ اللہ نے انہیں حلال یا حرام قرار دیا ہو یا نہ، حالانکہ ایسی (غیر مشروط) اطاعت کا مستحق تو اللہ خالقِ کائنات کے سوا کوئی نہیں۔ مکلفین تو سب کے سب

ہی اللہ کی عبادت کرنے، اس کے احکامات کی پیروی کرنے اور تمام عبادات کو اُسی کے لیے خالص کرنے کے ایک سے پابند ہیں‘‘۔ ؎

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’﴿أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللهِ﴾ يعني سادة لهم من دون الله، يطيعونهم في معاصي الله، فيحلون ما أحلوه لهم مما قد حرمه الله عليهم، و يحرمون ما يحرمونه عليهم، مما قد أحله الله لهم.

...... وأما قوله: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلهاً وَاحِدًا﴾ فإنه يعني به وما أمر هؤلاء اليهود والنصارى الذين اتخذوا الأحبار والرهبان والمسيح أرباباً إلا أن يعبدوا معبوداً واحداً، وأن يطيعوا إلا رباً واحداً دون أرباب شتى، وهو الله الذي له عبادة كل شيء وطاعة كل خلق، المستحق على جميع خلقه الدينونة له بالوحدانية والربوبية. ﴿لَّا إِلهَ إِلَّا هُوَ﴾ يقول تعالى ذكره: لا تنبغي الألوهية إلا لواحد الذي أمر الخلق بعبادته ولزمت جميع العباد طاعته. ﴿سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ يقول: تنزيهاً و تطهيراً عما يشرك في طاعته.

’’﴿اللہ کے سوا رب بنانے﴾ سے مراد ہے کہ وہ اللہ کے مقابلے میں انہیں اپنا سردار بناتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کرتے ہیں، پس وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔

......اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ: ﴿اور انہیں تو اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں﴾ تو اس کا معنی یہ ہے کہ علماء، درویشوں اور مسیح علیہ السلام کو رب بنا لینے والے ان یہود و نصاریٰ کو تو یہی حکم تھا کہ یہ معبودِ واحد کی عبادت کریں، مختلف ارباب چھوڑ کر صرف ایک رب کی اطاعت کریں، اس اللہ کی اطاعت کریں جس کی عبادت ہر شے کرتی ہے اور جس کی اطاعت کی ہر مخلوق پابند ہے، جو اس بات کا مستحق ہے کہ تمام مخلوق اسی کا دین اختیار کرے اور اسی کی وحدانیت و ربوبیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔

﴿اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں﴾ یعنی الوہیت کے لائق صرف وہی ذاتِ واحد ہے جس نے مخلوق کو اپنی عبادت کا حکم دیا اور تمام بندوں پر جس کی اطاعت لازم ہے۔

پھر فرمایا: ﴿پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کی جناب میں کرتے ہیں﴾ یعنی: اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے اس بات سے کہ اطاعت کے معاملے میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جائے''۔[8]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قوله تعالى: ﴿وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّٰهِ﴾ أي لا نتبعه في تحليل إلا فيما حلله الله تعالى. و هو نظير قوله تعالى: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّٰهِ﴾ معناه أنهم أنزلوهم منزلة ربهم في قبول تحريمهم و تحليلهم لما لم يحرمه الله و لم يحله الله''.

''ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں﴾ یعنی کسی چیز کو حلال قرار دینے میں ان کی پیروی نہ کریں سوائے ان چیزوں میں جنہیں خود اللہ نے حلال قرار دیا ہو۔ یہ فرمانِ مبارک اللہ تعالیٰ کے ایک اور فرمان کی مانند ہے، جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿انہوں نے اپنے علماء و درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا﴾ یعنی وہ چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام قرار نہیں دیا تھا، اہلِ کتاب نے انہیں حلال و حرام قرار دینے کے معاملے میں اپنے علماء و درویشوں کو رب کا مقام دے رکھا تھا''۔[9]

ابن حزم رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان ﴿**اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّٰهِ**﴾ ''انہوں نے اپنے علماء و درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''لمّا كان اليهود و النصارى يحرِّمون ما حرَّم أحبارهم و رهبانهم، و يحلّون ما أحلوا كانت هذه ربوبية صحيحة و عبادة صحيحة قد دانوا بها، و سمى الله تعالى هذا العمل اتخاذ أرباب من دون الله و عبادة، و هذا <u>هو الشرك من دون الله بلا خلاف</u>''.

''جب یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ

چیزوں کو حلال جانا تو یہی بات ٹھیک طور پر ربوبیت اور عبادت کہلائی، اور اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کو 'اللہ کے سوا رب بنانے' اور 'غیر اللہ کی عبادت' کرنے سے تعبیر کیا۔ اور بلاشبہ اس عمل کے شرک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں"۔[۱۰]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فقد بيّنَ النبي ـ صلى الله عليه و سلم ـ أن عبادتهم إياهم كانت في تحليل الحرام وتحريم الحلال، لا أنهم صلوا لهم وصاموا لهم، ودعوهم من دون الله، فهذه عبادة الرجال، وقد ذكر الله أن ذلك شرك بقوله: ﴿لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾".

"نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ بات واضح کردی کہ حرام کو حلال قرار دینے اور حلال کو حرام قرار دینے میں ان کی بات ماننا ہی ان کی عبادت کرنا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ان کے لیے نماز پڑھتے تھے یا ان کی خاطر روزے رکھتے تھے یا اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے تھے۔ (حلال و حرام قرار دینے کے مسئلے میں اللہ کی بجائے انسانوں کی اطاعت کرنا) دراصل انسانوں کی عبادت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اسے شرک قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کے ساتھ کرتے ہیں﴾"۔[۱۱]

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"و قوله تعالى: ﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ أي حيث عدلتم عن أمر الله لكم و شرعه إلى قول غيره، فقدمتم ذلك، فهذا هو شرك، كقوله تعالى: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللهِ﴾ الآية. و قد روى الترمذي في تفسيرها عن عدي بن حاتم أنه قال: يا رسول الله ما عبدوهم، فقال: "بلىٰ إنهم أحلوا لهم الحرام، و حرموا عليهم الحلال، فاتبعوهم، فذلك عبادتهم إياهم".

''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے﴾ یعنی جب بھی تم نے اللہ کے احکامات اور اس کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا قول اختیار کیا اور اسے اللہ کی شریعت پر مقدم ٹھہرایا تو یہی عینِ شرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿انہوں نے اپنے علماء و درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا﴾۔ امام ترمذیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عدیؓ بن حاتم کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! انہوں نے ان کی عبادت تو نہیں کی''۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیوں نہیں، ان کے علماء و مشائخ نے حرام چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا اور انہوں نے پھر بھی ان کی پیروی کی، اسی کو تو عبادت کہتے ہیں''۔ [۱۲]

اسی طرح درج ذیل آیتِ مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے امام ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا''۔

"وقال السدي: استنصحوا الرجال، ونبذوا كتاب الله وراء ظهورهم، ولهذا قال تعالى: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلهاً وَاحِدًا﴾ أي الذي إذا حرم الشيء فهو الحرام، وما حلله فهو الحلال، وما شرعه اتبع، وما حكم به نفذ، ﴿لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ أي تعالى وتقدس وتنزه عن الشركاء والنظراء والأعوان والأضداد والأولاد، لا إله إلا هو، ولا رب سواه".

''امام سدیؒ فرماتے ہیں: (آیتِ مبارکہ کا مقصود یہ ہے کہ) انہوں نے انسانوں کو اپنا خیر خواہ جانتے ہوئے ان کی طرف رجوع کیا اور اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور انہیں تو اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک الٰہ کی عبادت کریں﴾ یعنی وہ الٰہ واحد جو کسی چیز کو حرام قرار دے تو وہ حرام ہوگی اور جسے وہ حلال کردے وہی حلال ہوگی، وہ ذات جس کی شریعت واجب الاتباع ہے اور جس کا حکم نافذ العمل۔ ﴿اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ اس کے ساتھ کرتے ہیں﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے مقرر کردہ

شریکوں ونظیروں سے، انصار واعوان سے اور اضداد واولاد سے پاک اور بلند وبرتر ہے، اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے''۔[۱۳]

امام شوکانی رحمہ اللہ اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''ومعنى الآية أنهم لما أطاعوهم فيما يأمرونهم به وينهونهم عنه، كانوا بمنزلة المتخذين لهم أرباباً، لأنهم أطاعوهم كما تطاع الأرباب''.

''آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کے اوامر ونواہی کی (غیر مشروط) اطاعت کی تو گویا انہیں رب بنالیا، کیونکہ جس طرح رب کی (غیر مشروط) اطاعت کی جاتی ہے اسی طرح انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کی اطاعت بھی (غیر مشروط) انداز سے کی''۔[۱۴]

(ہ) علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''القضاء في الأموال و الأعراض و الدماء بقانون مخالف لشريعة أهل الإسلام، و إصدار قانون ملزم لأهل الإسلام بالاحتكام إلى حكم غير حكم الله، هذا الفعل إعراض عن حكم الله، و رغبة عن دينه، و هذا كفر لا يشك أحد من أهل القبلة على اختلافهم في تكفير القائل به و الداعي اليه''.

''لوگوں کی جان، مال اور آبرو کے معاملات میں کسی ایسے قانون کی بنیاد پر فیصلے صادر کرنا جو شریعت کے مخالف ہو اور ایسے قانون بنانا جو مسلمانوں کو احکاماتِ الٰہی چھوڑ کر کسی دوسرے قانون کی طرف رجوع کرنے کا پابند کرتے ہوں...... ایسا کرنا اللہ کے حکم سے اعراض اور اس کے دین سے کراہت کے مترادف ہے، اور اہلِ قبلہ کے تمام مختلف طبقات اس کے کفر ہونے میں ذرا شک نہیں کرتے، نہ ہی اس کی طرف بلانے اور دعوت دینے والے کو کافر کہنے میں تردد کرتے ہیں''۔[۱۵]

(و) علامہ محمد امین الشنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تحكيم النظام المخالف لتشريع خالق السماوات و الأرض في أنفس المجتمع وأموالهم وأعراضهم وأنسابهم كفر بخالق السماوات و الأرض،

وتمرد على نظام السماء، الذي وضعه من خلق الخلائق كلها، و هو أعلم بمصالحها سبحانه و تعالى أن يكون معه مشرع آخر علواً كبيراً ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاء شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللّهُ﴾، ﴿قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَاماً وَ حَلاَلاً قُلْ آللّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّهِ تَفْتَرُونَ﴾".

''لوگوں کے جان، مال، عزت اور نسب کے معاملات میں فیصلے کے لیے خالقِ ارض وسماء کی نازل کردہ شریعت کے مخالف کسی نظام کی طرف رجوع کرنا خالقِ ارض وسماء کے ساتھ کفر اور اس نظامِ کائنات کے خلاف سرکشی ہے جسے اس عالی ذات نے وضع کیا ہے...... جو تمام کائنات کا خالق ہے اور ان کی مصلحت و بھلائی سے خوب واقف ہے۔ وہ بہت پاک اور بلند ہے اس بات سے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریعت ساز ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿کیا یہ لوگ ایسے شریکانِ خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا﴾

اور ارشاد ہے: ﴿آپ کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو: اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل فرمایا تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرایا اور بعض کو حلال، (ان سے) پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو﴾''۔[١٦]

حواشی

۱ مجموع الفتاوٰی ۵۲۴/۲۸

۲ تفسیر ابن کثیر. تفسیر سورة المائدة : آیت ۵۰ : ۶۸/۲

۳ عمدة التفسیر ۱۷۱/۴ : ۱۷۲

۴ تفسیر ابنِ کثیر . تفسیر سورة الشوریٰ : آیت ۲۱ : ۱۱۲/۴

۵ سنن الترمذی ۲۷/۵. مزید حوالوں کیلئے رجوع کیجئے: سنن سعید بن منصور ۵ / ۲۴۵، سنن البیهقی الکبریٰ ۱۰ / ۱۱۶، مصنف ابن أبی شیبه ۱۵۶/۷، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۷/ ۹۲ ،شعب الایمان ۴۵/۷، فتح القدیر ۲/ ۳۵۵

۶ تفسیر الطبری ۱۱۴/۱۰ : ۵. مزید حوالوں کیلئے رجوع کیجئے: فتح القدیر ۳۵۵/۲، تفسیر ابن کثیر ۳۵۰/۲

۷ احکام القرآن للجصاص ۲۹۷/۲

۸ تفسیرالطبری ۱۱۴/۱۰ : ۱۱۵

۹ تفسیر القرطبی ۴/ ۱۰۶

۱۰ الفصل ۶۶/۳

۱۱ مجموع الفتاویٰ ۶۷/۷

۱۲ تفسیر ابن کثیر ۱۷۲/۲

۱۳ تفسیر ابن کثیر ۳۵۰/۲

۱۴ فتح القدیر ۳۵۳/۲

۱۵ حاشیه تفسیر ابن جریر، للشیخ أحمد شاکر رحمه اللّٰه ۳۴۸/۲

۱۶ أضواء البیان ۸۴/۴

دوسری فصل

دستورِ پاکستان میں موجود خلافِ شریعت قوانین کی مثالیں

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے ہم اس فصل میں دستورِ پاکستان کی بعض ایسی دفعات کا ذکر کریں گے جو شریعت کے متفق علیہ، اجماعی احکام سے متصادم ہیں۔ البتہ یہاں دستور اور شریعتِ اسلامی کے مابین پائے جانے والے تمام تضادات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ اختصار کے پیشِ نظر صرف نمایاں ترین تضادات کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

میں نے اس بحث کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلا تضاد: نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر مقید اور مطلق حقِ قانون سازی حاصل ہے

(۲) دوسرا تضاد: بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

(۳) تیسرا تضاد: سربراہِ ریاست (یعنی صدر) کو ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے

(۴) چوتھا تضاد: قاضی کے لیے 'عادل' ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، جبکہ 'مسلمان' ہونے کی شرط بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے عائد کی گئی ہے

(۵) پانچواں تضاد: سربراہِ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

(۶) چھٹا تضاد: ہر اس شخص کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر جرم قرار دیئے جانے سے قبل کیا ہو

(۷) ساتواں تضاد: آئینِ پاکستان ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے مطلقاً منع کرتا ہے

(۸) آٹھواں تضاد: سود کے حوالے سے دستور کا مؤقف

پہلا تضاد

نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر مقید اور مطلق حقِ قانون سازی حاصل ہے

آئین کی دفعات ۲۳۸ اور ۲۳۹ واضح طور پر مجلسِ شوریٰ (یعنی پارلیمان) کے نمائندوں کی غالب اکثریت کا یہ حق تسلیم کرتی ہیں کہ وہ دستور میں جیسے چاہیں ترمیم کریں اور اس حق کے استعمال پر کسی بھی سطح پر کوئی پوچھ گچھ اور محاسبہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلے پر کچھ مفصل بحث پہلے باب کے دوسرے بند میں گزر چکی ہے۔

دوسرا تضاد

بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

دستورِ پاکستان نے واضح طور پر کئی شخصیات اور اداروں کو ہر قسم کے محاکے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیا ہے۔ نہ تو شرعی عدالت میں اور نہ ہی کسی دوسری عدالت میں ان کے افعال پر گرفت کرنا ممکن ہے۔ لیکن اس سے قبل کہ میں مثالوں کے ذریعے اس نکتے کو واضح کروں، پہلے ہم اس کا جائزہ لیں گے کہ شریعت ایسے قانونی تحفظ کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔ چنانچہ میں نے ...... اللہ کی توفیق سے ...... اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) پہلا مبحث: کیا کسی شخصیت یا ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنٰی ہو جائے؟

(ب) دوسرا مبحث: دستورِ پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں۔

(الف) پہلا مبحث

کیا کسی شخصیت یا ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

یہ ایک ثابت شدہ شرعی حکم ہے کہ کسی شخص یا ادارے کو یہ دعویٰ کرنے یا یہ زعم رکھنے کا حق حاصل نہیں کہ اس کے تصرفات شرعی محاسبہ سے بالاتر ہیں۔ پس جب محض ایسا زعم رکھنا بھی شرعاً جائز نہیں تو باقاعدہ قانون سازی کے ذریعے کسی فرد یا ادارے کو شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

یہاں میں مختصراً چند مثالیں ذکر کروں گا جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمان کس طرح شرعی احکامات اور عدالتی فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ نیز ان مثالوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستورِ پاکستان میں موجود اس شیطانی اصول کی نظیر پوری اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، حتیٰ کہ اسلامی نظامِ حکومت کے تحت گزرنے والے ظلم اور انحراف کے بدترین ادوار بھی اس شیطانی اصول سے پاک رہے۔ لیکن بالآخر فرنگی استبدادی ثقافت کے فرزند اور غاصب کفار کے آلۂ کار امت پر غالب آئے اور انہوں نے اس شیطانی اصول کو باقاعدہ قانون کا درجہ دیا۔

چنانچہ ایک نام نہاد اسلامی ریاست پاکستان کے نام نہاد اسلامی دستور میں درج اس اصول کی حقیقت کھولنے کے لیے میں اپنی بحث کو درج ذیل نکات میں تقسیم کروں گا:

پہلا نکتہ: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد

دوسرا نکتہ: اقوالِ علماء سے اس فاسد اصول کا رد

تیسرا نکتہ: اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے

پہلا نکتہ: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد

اولاً: سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل

(ا)''عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّتْهُمُ الْمَرْأَةُ الْمَخْزُومِيَّةُ، الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالُوا: مَنْ يُكَلِّمُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ؟ وَ مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ؟ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، فَكَلَّمَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، فَقَالَ: ''أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟''. ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ قَالَ: ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ. وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ۔ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا''.

امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مخزومی خاتون نے چوری کی جس پر قریش کے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تو کوئی بھی آپ ؐ سے اس خاتون کی سفارش (کرنے کی جرأت) نہیں کرسکتا۔ چنانچہ (لوگوں کے کہنے پر) اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مخزومی خاتون کی سفارش کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا اور فرمایا:

''اے لوگو! تم سے پہلی امتوں کے گمراہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ جب کوئی معزز فرد چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ہاتھ کاٹتے''۔[1]

امام ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث میں موجود فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”و فيه ما يدلُّ على أن فاطمة عليها السلام عند أبيها ـ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ فِي أعظم المنازل.

............و فيه ترك المُحاباة في إقامة الحدّ على من وجب عليه و لو كان ولدًا أو قريباً أو كبير القدر و التشديد في ذلك و الإنكار على من رخّص فيه أو تعرّض للشفاعة فيمن وجب عليه.

............و فيه الإعتبار بأحوال من مضى من الأمم و لا سيما من خالف أمر الشرع“.

”یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والدِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عظیم ترین مقام کی حامل تھیں۔

......نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے خلاف حد قائم کرنا واجب ہو جائے تو اسے سزا سے بچانے کی کوشش کرنا درست نہیں، چاہے وہ شخص اپنا بیٹا یا قریبی رشتہ دار یا کوئی بہت محترم آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث اس معاملے میں بہت سختی کا درس دیتی ہے اور اس شخص پر گرفت کرتی ہے جو کسی مستحقِ سزا فرد کے لیے رخصت تلاش کرے یا اس کے حق میں سفارش کرے۔

......اسی طرح یہ حدیث گزشتہ قوموں، بالخصوص شریعت کی مخالفت کرنے والوں کے احوال سے عبرت حاصل کرنا بھی سکھاتی ہے“[۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ففي هذه القصة عبرةٌ؛ فإنّ أشرف بيتٍ كان في قريش بَطْنَان؛ بنو مخزوم و بنو عبد مناف. فلمّا وجب على هذه القطع بسرقتها ـ التي هي جحود العارية على قول بعض العلماء أو سرقةٌ أخرى غيرها على قول آخرين ـ و كانت من أكبر القبائل و أشرف البيوت، و شفع فيها حِب رسول الله ـ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ أسامة، غضب رسول الله صلى الله عليه و سلم، فأنكر عليه دخوله فيما

حرمه الله؛ وهو الشفاعة في الحدود، ثم ضرب المثل بسيدة نساء العالمين ـ وقد برأها الله من ذلك ـ فقال: ''لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا''.

''اس واقعے میں ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے کیونکہ بنومخزوم اور بنوعبدمناف قریش کی معزز ترین شاخیں سمجھی جاتی تھیں۔ پس جب (بنومخزوم کی) اس عورت نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹنا شرعاً واجب ہوگیا۔ اس چوری کے حوالے سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ عورت دراصل اُدھار واپس کرنے سے انکاری ہوگئی تھی جبکہ بعض کے نزدیک یہ چوری ہی کا واقعہ تھا۔ اب باوجود اس کے کہ یہ عورت (عرب کے) سب سے بڑے قبیلے اور اس قبیلے کی سب سے معزز شاخ سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے حق میں سفارش کرنے والی ہستی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے...... لیکن پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے اور آپ نے اللہ کے حرام کردہ امور میں مداخلت کرنے اور حدود اللہ کے معاملے میں سفارش کرنے پر سختی سے ٹوکا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جہانوں کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال دیتے ہوئے فرمایا...... حالانکہ اللہ نے اُنہیں چوری جیسے قبیح فعل سے بری ہی رکھا تھا کہ:

''اگر فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا!''[٣١]

اس حدیث شریف میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے بیان فرمادیا ہے کہ:

(الف) کوئی شخص کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو جائے، وہ شریعتِ مطہرہ کے احکامات کی پابندی سے مبرا نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتے پر زور دینے کے لیے اپنی پیاری بیٹی اور خواتینِ عالم کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال تک دے ڈالی۔ تو کیا پرویز اور اس جیسے گھٹیا لوگوں کا مقام، نعوذ باللہ، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مقام سے بھی بڑھ گیا ہے کہ انہیں شرعی احکامات کی پابندی سے بالاتر قرار دیا جائے؟

(ب) اس قسم کی بے جا طرف داری اور طبقاتی تفریق سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باعث بنی اور آج پاکستان اور دیگر ممالک میں بھی ہم بعینہٖ یہی سب ہوتا دیکھ رہے ہیں۔

(۲)عن البراء بن عازب ـ رضي الله عنه ـ قال: مُرَّ على النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ بيهودي محمّماً مجلوداً، فدعاهم صلى الله عليه و سلم، فقال: ''هَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ؟'' قالوا: نعم. فدعا رجلاً من علمائهم، فقال: ''أَنْشُدُكَ بِاللهِ ـ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى ـ أَهَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ؟''. قال: لا ولولا أنك نشدتني بهذا لم أخبرك. نجده الرجم، و لكنه كثر في أشرافنا، فكنا إذا أخذنا الشريف تركناه، و إذا أخذنا الضعيف أقمنا عليه الحدّ. قلنا تعالوا فلنجتمع على شيء نقيمه على الشريف والوضيع، فجعلنا التحميم والجلد مكان الرجم. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''اللَّهُمَّ إنِّي أَوَّلُ مَنْ أَحْيَا أَمْرَكَ إِذْ أَمَاتُوهُ''. فأمر به فرُجم فأنزل الله عزّ وجلّ: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ إلى قوله ﴿إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ﴾...الحديث''.

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا جسے منہ کالا کر کے کوڑے مارے جا رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بُلایا اور پوچھا کہ:

''کیا تمہاری کتاب میں زانی کی یہی سزا (حد) بیان کی گئی ہے؟''

تو انہوں نے کہا:

جی ہاں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایک عالم کو بلایا اور پوچھا:

''میں تجھے اُس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی حد پاتے ہو؟''

تو اُس نے کہا:

نہیں، اور اگر تم نے مجھے یہ قسم نہ دی ہوتی تو میں تمہیں کبھی بھی سچ نہ بتاتا۔ تورات میں تو رجم (سنگساری) کی سزا ہی مذکور ہے، لیکن کیا کریں کہ ہمارے معزز لوگوں میں زنا کا جرم کثرت

سے پھیل گیا۔ پس جب ہم کسی معزز شخص کو اس جرم میں پکڑتے تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف ہمارے ہاتھ چڑھتا تو اُس پر حد قائم کر دیتے۔ بالآخر ہم نے کہا کہ آؤ کسی ایسی سزا پر متفق ہو جائیں جو معزز اور کمتر دونوں قسم کے افراد کو دی جا سکے، پھر ہم نے رجم کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا مقرر کر دی۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! میں تیرے اس حکم کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں جسے یہ لوگ ترک کر چکے ہیں''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اس یہودی کو رجم (سنگسار) کر دیا گیا۔ اس موقع پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ﴾ سے لے کر ﴿اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ﴾ تک''۔[۴]

(۳) امام بیہقیؒ ابی لیلیٰؒ سے روایت نقل کرتے ہیں، آپؒ فرماتے ہیں:

''قال كان أسيد بن حضير رجلاً ضاحكاً مليحا قال: فبينما هو عند رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ يحدث القوم و يضحكهم فطعن رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ بأصبعه في خاصرته، فقال: أوجعتني. قال: ''اقتص''. قال: يا رسول الله إن عليك قميصاً، ولم يكن علي قميص. قال: فرفع رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ قميصه، فاحتضنه، ثم جعل يقبل كشحه، فقال: بأبي أنت و أمي يا رسول الله! أردت هذا''.

''حضرت اسید بن حضیر (رضی اللہ عنہ) ایک خوش مزاج اور ہنس مکھ آدمی تھے، ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت کر کے اُنہیں ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو میں اپنی انگلی چبھو دی، تو انہوں نے کہا:

آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تو پھر بدلہ لے لو!

انہوں نے کہا:

آپ نے تو قمیص پہن رکھی ہے جب کہ میں نے قمیص نہیں پہنی ہوئی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قمیص اوپر اٹھادی، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کے پہلو کو بوسہ دینے لگے، پھر فرمایا:

اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں تو بس یہی چاہتا تھا''۔[5]

شیخ عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور جیسا کہ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں، یہ روایت امام بیہقیؒ نے ابو یعلیٰؒ سے قوی سند کے ساتھ روایت کی ہے......''۔[6]

نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[7]

(۴) ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وحدثني حبان بن واسع بن حبان عن أشياخ من قومه أن رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ عدّل صفوف أصحابه يوم بدر، و في يده قدحٌ يُعَدِّل به القوم، فمرّ بسواد بن غزيّة حليف بني عديّ بن النّجّار و هو مسْتنتل من الصفّ، فطعن في بطنه بالقدح، و قال: ''اسْتَوِ يَا سَوّادُ''. فقال: يا رسول الله أوجعتني، و قد بعثك الله بالحق و العدل. قال: فَأَقِدْنِي. فكشف رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ عن بطنه، و قال: ''اسْتَقِدْ''. قال: فاعتنقه، فقبّل بطنه. فقال: ''مَا حَمَلَكَ عَلَى هَذَا يَا سَوّادُ؟''. قال: يا رسول الله حضر ما ترى، فأردت أن يكون آخر العهد بك أن يمسّ جلدي جلدك. فدعا له رسول الله صلى الله عليه وسلم بخير''.

''مجھ سے حبان بن واسع بن حبان نے اپنی قوم کے بزرگوں سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی صفیں درست فرمارہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی جس کے ذریعے آپ صفوں کو سیدھا کررہے تھے، کہ اسی دوران آپ کا گزر بنی عدی بن النجار کے حلیف سواد بن غزِیہ (رضی اللہ عنہ) پر ہوا، جو صف سے قدرے آگے نکلے

ہوئے تھے، تو آپؐ نے ان کے پیٹ میں لاٹھی چبھو کر فرمایا:

اے سواد! سیدھے ہو جاؤ!

تو سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اور اللہ نے آپ کو حق اور عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا مجھے بدلہ چاہیے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطنِ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور اُن سے فرمایا:

بدلہ لے لو۔

تو وہ آپؐ کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کے بطنِ مبارک کا بوسہ لینے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے سواد! کس بات نے تمہیں یہ حرکت کرنے پر ابھارا؟

انہوں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ دشمن سے ٹکراؤ کا موقع آ گیا ہے، پس میں چاہتا تھا کہ میرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کا اختتام یہ ہو کہ میری جلد آپ کی جلد کو چھو لے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی''۔[8]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔[9]

ثانیاً: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ سیرتوں سے دلائل

(ا) حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اسوہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وقال محمد بن اسحاق: حدثني الزهري، حدثني أنس بن مالك. قال: لما بويع أبو بكر في السقيفة وكان الغد جلس أبو بكر على المنبر، وقام عمر فتكلم قبل أبي بكر، ثم تكلم أبو بكر فحمد الله و أثنى عليه بما هو أهله.

...... ''ثم قال: أما بعد أيها الناس فإني قد وليت عليكم ولست بخيركم، فإن أحسنت فأعينوني، وإن أسأت فقوموني. الصدق أمانة، والكذب خيانة،

والضعيف منكم قوي عندي حتى أزيح علته إن شاء الله، والقوي فيكم ضعيف حتى آخذ منه الحق إن شاء الله، لا يدع قوم الجهاد في سبيل الله إلا ضربهم الله بالذل، ولا يشيع قوم قط الفاحشة إلا عمهم الله بالبلاء.

أطيعوني ما أطعت الله و رسوله، فإذا عصيت الله و رسوله، فلا طاعة لي عليكم، قوموا إلى صلاتكم يرحمكم الله"۔

وهذا إسناد صحيح. فقوله رضي الله عنه: "وليتكم ولست بخيركم". من باب الهضم والتواضع، فإنهم مجمعون على أنه أفضلهم وخيرهم رضي الله عنهم".

"محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ مجھے زہریؒ نے اور زہریؒ کو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوگئی تو اگلے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے اور آپؓ سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر گفتگو کی۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ اپنی گفتگو کا آغاز کیا، ......" پھر فرمایا:

"اے لوگو! مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین آدمی نہیں ہوں، لہٰذا اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کردینا۔ سچ بولنا امانت داری ہے اور جھوٹ بولنا خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور آدمی میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت سے اس کی مشکل دور نہ کرلوں، اور تم میں سے طاقتور آدمی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک میں اللہ کی مشیت سے کمزور کا حق اس سے وصول نہ کرلوں۔ اور (یاد رکھو کہ) جب کوئی قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کردیتے ہیں اور جب کسی قوم میں فحاشی پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ اس پوری قوم پر عذاب نازل فرمادیتے ہیں۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم پر سے میری اطاعت بھی ساقط ہوجائے گی۔ اب نماز کیلئے کھڑے ہوجاؤ، اللہ تم پر رحم

فرمائے!''

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ رہا آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ''مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین آدمی نہیں ہوں''، تو یہ آپ کا تواضع اور انکساری ہے، وگرنہ اس امر پر تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل اور سب سے بہتر تھے''۔[١٠]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے اس پہلے اور عظیم الشان خطبے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اسلامی مملکت کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں۔ انہی اصولوں میں سے چند ایک یہ ہیں:

(الف) صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ امت سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ نیکی کے کاموں میں آپ کی مدد کرے اور غلط کاموں میں آپ کے آڑے آکر آپ کو سیدھا کرے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر میں غلط کام کروں تو تم میرے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے اور تمہیں میرا محاسبہ کرنے، میرے خلاف مقدمہ کرنے یا مجھے سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ جب کہ دستورِ پاکستان میں یہی فاسد اصول درج ہے۔

(ب) پھر آپؓ نے نہایت تاکید کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ امت کا کمزور فرد آپ کی نظر میں قوی ہے یہاں تک کہ آپ اسے اس کا حق نہ دلا دیں اور امت کا قوی فرد آپ کی نگاہ میں کمزور ہے یہاں تک کہ آپ اس سے کمزور کا حق وصول نہ کرلیں۔ پس آپ نے دستورِ پاکستان کی طرح لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم نہیں کیا کہ ایک طرف تو وہ عوام الناس ہیں جو عدالتوں میں گھسیٹے جانے اور محاسبے اور سزا کے مستحق ہیں، جبکہ دوسری طرف اعلیٰ مناصب پر براجمان وہ طبقہ ہے جو ہر قسم کے محاکمے اور سزا سے بالاتر ہے۔

(ج) پھر آپؓ نے اپنی اطاعت کے حکم کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اگر آپ اللہ کی نافرمانی کریں تو خالق کی معصیت میں امت آپ کی اطاعت نہ کرے۔ آپؓ کے اس مؤقف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں اقتدارِ اعلیٰ صرف شریعت کو حاصل ہے نہ کہ اکثریت کو۔ تمام احکام وقوانین تب ہی واجب الاتباع قرار پاتے ہیں جب وہ شریعت کے تابع اور اس سے موافق ہوں۔ حاکم کا حقِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی اسی شرط سے مقید اور اسی اصول پر مبنی ہے اور امت پر حکمران کی اطاعت بھی تبھی واجب ہوتی ہے جب وہ شریعت کی تابعداری پر قائم ہو۔ یہاں بھی دستورِ

پاکستان اور شریعتِ اسلامی کے درمیان خطرناک تضاد نظر آتا ہے، کیونکہ دستورِ پاکستان ارکانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو بغیر کوئی شرط یا قید عائد کئے اقتدارِ اعلیٰ کا مالک قرار دیتا ہے، جیسا کہ پچھلی بحث میں قدرے تفصیل سے بات گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا اسوہ

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ابوفراس سے روایت نقل فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ألا إنّي واللہ ما أرسل عمّالي إليكم ليضربوا أبشاركم، و لا ليأخذوا أموالكم، و لكن أرسلهم إليكم ليعلّموكم دينكم و سنتكم. فمن فُعل به شيء سوى ذلك، فليرفعه إليّ. فوالذي نفسي بيده إذن لأقصّنّه منه. فوثب عمرو ابن العاص فقال: يا أمير المؤمنين. أورأيت إن كان رجل من المسلمين على رعيّة فأدّب بعض رعيّيته أئنك لمقتصّه منه؟ قال: إي والذي نفس عمر بيده. إذَنْ لأقصّنّه منه، و قد رأيت رسول اللہ ـ صلى اللہ عليه و سلم ـ يقصُّ من نفسه“.

”لوگو، سن لو! اللہ کی قسم! میں اپنے عامل تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے جسم پر کوڑے برسائیں یا تمہارے اموال ہڑپ کر جائیں۔ میں تو انہیں اس لیے تمہارے پاس بھیجتا ہوں کہ تمہیں تمہارے دین اور سنت کی تعلیم دیں، لہٰذا جس کے ساتھ بھی اس کے برعکس معاملہ ہو وہ اپنی شکایت مجھ تک پہنچائے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں ظلم کا نشانہ بننے والے کو ضرور بدلہ دلاؤں گا۔

یہ بات سنتے ہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے امیر المؤمنین! اگر مسلمانوں پر مقرر کردہ کوئی ذمہ دار اپنی رعایا کو ادب سکھانے کے لیے ایسا کرے تب بھی آپ اس سے انتقام لیں گے؟

تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

جی ہاں، اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے! میں تب بھی ضرور اس سے بدلہ لوں گا، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتے

دیکھا ہے''۔[11]

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[12]

دوسرا نکتہ: اقوالِ علماء سے اس فاسد اصول کا رد

(الف) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ذکر الله ما فرض على أهل التوراة فقال عز وجل: ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ إلى قوله ﴿فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ﴾، وروي في حديث عن عمر أنه قال: "رأيت رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ يعطي القود من نفسه، وأبا بكر يعطي القود من نفسه، و أنا أعطي القود من نفسي"."

"اہلِ تورات پر فرض کردہ قصاص کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اور ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ ہے، پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے تو اس کے لئے کفارہ ہے﴾

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ حدیث میں مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی ذات کو بھی بدلے کے لیے پیش کیا کرتے تھے، اسی طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بھی اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتے تھے، اور میں بھی اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتا ہوں"۔[۱۵]

پھر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولم أعلم مخالفاً في أن القصاص في هذه الأمة كما حكم الله عز وجل أنه حكم به بين أهل التوراة. ولم أعلم مخالفاً في أن القصاص بين الحرين المسلمين في النفس و ما دونها من الجراح، التي يستطاع فيها القصاص بلا تلف يخاف على المستقاد منه من موضع القود".

"مجھے نہیں معلوم کہ کسی اہلِ علم نے اس بات سے اختلاف کیا ہو کہ اس امت میں بھی قصاص کا حکم ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل تورات پر نازل فرمایا تھا۔ اور میرے علم کے مطابق اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ دو آزاد مسلمانوں کے درمیان جان کا قصاص بھی ہوتا ہے

اور جان سے کمتر ایسے زخموں کا قصاص بھی جن کا قصاص لینے سے اُس شخص کی جان تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو جس سے قصاص لیا جا رہا ہے"۔ [۱۶]

(ب) امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأجمع العلماء على أن على السلطان أن يقتص من نفسه إن تعدى على أحد من رعيته. إذ هو واحد منهم. و إنما له مزية النظر لهم كالوصي والوكيل. وذلك لا يمنع القصاص. و ليس بينهم و بين العامة فرق في أحكام الله عزوجل، لقوله جل ذكره: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ و ثبت عن أبي بكر الصديق ـ رضي الله عنه ـ أنه قال لرجل شكا إليه أن عاملاً قطع يده: لئن كنت صادقاً لأقيدنك منه. وروى النسائي عن أبي سعيد الخدري قال: بينا رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ يقسم شيئاً إذ أكب عليه رجل، فطعنه رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ بعرجون كان معه، فصاح الرجل، فقال له رسول الله صلى الله عليه و سلم: "تعال فاستقد". قال: بل عفوت يا رسول الله. وروى أبوداؤد عن أبي فراس قال: خطب عمر بن الخطاب ـ رضي الله عنه ـ فقال: ألا من ظلمه أميره فليرفع ذلك إلي أقيده منه. فقام عمرو بن العاص فقال: يا أمير المؤمنين لئن أدب رجل منا رجلا من أهل رعيته لتقصنه منه؟ قال كيف لا أقصه منه؟ و قد رأيت رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ يقص من نفسه. و لفظ أبي داؤد السجستاني عنه قال: خطبنا عمر بن الخطاب فقال: إني لم أبعث عمالي ليضربوا أبشاركم، و لا ليأخذوا أموالكم، فمن فعل ذلك به، فليرفعه إلي أقصه منه".

"اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر حاکم اپنی رعایا میں سے کسی پر زیادتی کرے تو اُسے بھی قصاص دینا ہوگا، کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح کا ایک فرد ہے۔ البتہ حاکم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے وصی اور وکیل کی طرح لوگوں کے امور پر نگاہ رکھنے اور ان کی نگرانی کرنے کا حق حاصل

ہے، لیکن یہ حق حاکم سے قصاص لینے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ اللہ کے احکامات کے سامنے حکام اور عوام سب یکساں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سب مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ:

﴿اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے﴾

اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر شکایت کی کہ ان کے مقرر کردہ عامل نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، تو آپؓ نے فرمایا:

''اگر تم سچے ہو تو میں تمہیں ضرور بدلہ دلواؤں گا''۔

اسی طرح امام نسائیؒ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آپ پر اوندھا آ پڑا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس موجود لاٹھی اسے چبھوئی۔ اس پر وہ شخص چیخ اٹھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا:

''آگے آؤ اور بدلہ لے لو''۔

اُس نے کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بلکہ میں نے معاف کیا''۔

نیز ابوداؤد الطیالسیؒ نے ابوفراسؒ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''سن لو! جس شخص پر بھی اس کا امیر ظلم کرے تو وہ اپنی شکایت میرے پاس لائے، میں اُسے بدلہ دلاؤں گا''۔

یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''اے امیر المومنین! اگر ہم (امراء) میں سے کوئی شخص اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب سکھانے کے لیے مارے تب بھی آپ اُس سے بدلہ لیں گے؟''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں بدلہ کیوں نہ دلواؤں جب کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتے دیکھا ہے؟''

ابوداؤد سجستانیؒ اسی روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں

خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''بے شک میں اپنے عامل تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہاری جلد پر کوڑے برسائیں یا تمہارے اموال ہڑپ کر جائیں۔ لہٰذا جس کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کیا جائے وہ اپنی شکایت مجھ تک پہنچائے، میں اسے ضرور بدلہ دلاؤں گا''۔ [۷۱]

(ج) امام ابو بکر الجصاص الحنفي رحمہ اللہ کا قول

امام ابوبکر جصاص حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فأجرى النبي صلى الله عليه و سلم فرض الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر مجرى سائر الفروض في لزوم القيام به مع التقصير في بعض الواجبات.

ولم يدفع أحد من علماء الأمّة و فقهائها سلفهم وخلفهم وجوب ذلك إلا قومٌ من الحشْو و جُهال أصحاب الحديث، فإنهم أنكروا قتال الفئة الباغية والأمر بالمعروف و النهي عن المنكر بالسلاح، و سموا الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فتنة إذا اُحتيج فيه إلى حمل السلاح و قتال الفئة الباغية، مع ما قد سمعوا فيه من قول الله تعالى: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِيْ حَتَّى تَفِيءَ إلى أَمْرِ اللهِ﴾ وما يقتضيه اللفظ من وجوب قتالها بالسيف وغيره.

و زعموا مع ذلك أن السلطان لا ينكر عليه الظلم و الجور وقتل النفس التي حرّم الله، و إنما ينكر على غير السلطان بالقول أو باليد بغير سلاح، فصاروا شرًّا على الأمة من أعدائها المخالفين لها؛ لأنهم أقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغية و عن الإنكار على السلطان الظلم الجور.

حتى أدّى ذلك إلى تغلب الفجار بل المجوس، و أعداء الإسلام حتى ذهبت الثغور، و شاع الظلم، و خربت البلاد، وذهب الدين والدنيا، و ظهرت الزندقة والغلوّ و مذاهب الثنوية و الخُرَّمِيَّة و المَزْدَكِيَّة، والذي جلب ذلك كله عليهم ترك الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر والإنكار على السلطان

الجائر، و اللہ المستعان''۔

''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو بھی باقی فرائض کی مانند قرار دیا ہے، یعنی (جس طرح کسی دوسرے فرض کو یہ کہہ کر چھوڑنا جائز نہیں کہ چونکہ مجھ سے فلاں فلاں واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے، اس لیے میں یہ فرض بھی نہیں ادا کروں گا، بالکل اسی طرح) کچھ واجبات کی ادائیگی میں کمزوری کے سبب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنا بھی جائز نہیں۔

خلف و سلف کے علماء اور فقہاء میں سے کسی ایک نے بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ گروہِ حشویہ کے بعض لوگوں نے اور بعض جاہل اصحابِ حدیث نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو غلط کہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہو گا۔ اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی فتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ اس کی بابت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک بھی سن چکے ہیں: ﴿پس بغاوت کرنے والے گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾ یہ آیت صراحت کے ساتھ تلوار اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔

اسی طرح ان کا مؤقف ہے کہ حاکم اگر ظلم و جبر کرے اور لوگوں کو ناحق قتل کرے، تب بھی اسے ٹوکنا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے سوا دیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے گا، لیکن ان کے خلاف بھی یہ تلوار اٹھانے کے قائل نہیں۔

پس یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انھوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم و جبر پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق و فجار غالب آئے، مجوس اور دیگر دشمنانِ اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں، دین و دنیا لٹ گئے اور زندقہ، غلو اور مذاہبِ ثنویہ، خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور

ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے، واللّٰہ المستعان''۔[۱۸]

یہاں امام جصاص رحمہ اللہ نے نہایت زور دے کر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے خواہ اس کا مخاطب امت کا حاکم ہو یا کوئی عام مسلمان۔ پھر اس کے بعد پاکستانی دستور کو کیسے اسلامی دستور کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ دستور صدر اور بعض دیگر اعلیٰ سطحی عہدیداران کو ہر قسم کی پوچھ گچھ اور روک ٹوک سے بالاتر قرار دیتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو قدرے چھوٹی بات ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح خروج کے معاملے میں بھی اپنے سخت مؤقف کے سبب معروف ہیں۔ اگر خروج کا مسئلہ یہاں خارج از بحث نہ ہوتا تو میں ضرور، اللہ کی توفیق سے، اس بارے میں تفصیلی بات کرتا۔

(د) ابن حزم رحمہ اللہ کا قول

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''الإمام الواجب طاعته ما قادنا بكتاب الله تعالى و بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، الذي أمر الكتاب باتباعها، فان زاغ عن شيء منهما منع من ذلك، أو أقيم عليه الحد و الحق''.

''امام کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ...... جس کی اتباع کا حکم خود کتابُ اللہ نے دیا ہے ...... کے مطابق ہماری قیادت کرے۔ اگر وہ ان دونوں کے کسی بھی حکم سے روگردانی کرتا ہے تو اسے روکا جائے گا، یا اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس سے حق وصول کیا جائے گا''۔[۱۹]

ایک اور مقام پر آپؒ فرماتے ہیں:

''و الواجب إن وقع شيء من الجور وإن قل أن يكلم الإمام في ذلك و يمنع منه، فإن امتنع و راجع الحق وأذعن للقود من البشرة أو من الأعضاء و لإقامة حد الزنا و القذف و الخمر عليه فلا سبيل إلى خلعه، و هو إمام كما كان، لا يحل خلعه، فإن امتنع من إنفاذ شيء من هذه الواجبات عليه و لم يراجع وجب خلعه، و إقامة غيره ممن يقوم بالحق لقوله تعالى: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ

وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الاِثْمِ وَ العُدْوَان﴾، و لا یجوز تضییع شيء من واجبات الشرائع".

"اگر حاکم سے کچھ ظلم واقع ہو جائے، اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو، تو حاکم سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنا اور اسے منع کرنا واجب ہے۔ پھر اگر تو وہ باز آجائے اور حق کی طرف رجوع کر لے اور اپنی جلد یا اپنے اعضاء کو بدلے کے لیے پیش کر دے؛ اور زنا، بہتان یا شراب نوشی کی صورت میں خود کو حد نافذ کئے جانے کے لیے پیش کر دے......تو اسے خلافت کے منصب سے ہٹانا جائز نہیں اور وہ اسی طرح بطور امام باقی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا۔ البتہ اگر وہ اپنے آپ کو ان واجبات کے نفاذ کے لئے پیش کرنے سے انکار کر دے اور حق کی طرف رجوع نہ کرے، تو اسے اس کے منصب سے ہٹانا اور کسی حق پرست حکمران کو اس کی جگہ لانا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور نیکی وتقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ و سرکشی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون مت کرو﴾ اور شریعت کے واجب کردہ امور میں سے کسی ایک حکم کو بھی ضائع کرنا جائز نہیں (لہٰذا جب کوئی حاکم شرعی واجبات کی ادائیگی پر تیار نہ ہو تو اس گناہ میں اس سے تعاون کرنا اور اسے بطور حاکم برقرار رکھنا درست نہیں)"۔[٢٠]

اسی طرح حدیث "أقیلوا ذوي الهیئات عثراتهم" (یعنی معزز لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کرو) پر بحث کرتے ہوئے امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"و لیس فیه إسقاط حد ولا قصاص. و قد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "المؤمنون تتکافؤ دماؤهم". وقال تعالی:﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾. فإذا کانوا إخوة فهم نظراء في الحکم کله. و قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إنما هم کذلك بنو إسرائیل، کانوا إذا سرق فیهم الشریف ترکوه، و إذا سرق فیهم الضعیف أقاموا علیه الحد. و الذي نفسي بیده لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت یدها" أو کما قال علیه الصلاة والسلام مما ذکرناه بإسناده فیما خلا".

"اس حدیث سے یہ مراد لینا درست نہیں کہ صاحبِ حیثیت لوگوں پر سے حد اور قصاص بھی

ساقط ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''مومنین کے خون برابر ہیں''۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں﴾

پس جب وہ بھائی بھائی ہیں تو تمام احکامات میں بھی برابر ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے ہیں:

''بنی اسرائیل بھی اسی طرح تھے، کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کریں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں''۔ (أو کما قال علیه الصلاة و السلام) یہ حدیث ہم سند سمیت پہلے ذکر کر چکے ہیں''۔[۲۱]

(ہ) امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا قول

امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ یہود و نصاریٰ کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وذلك يقتضي أن مجانبة هديهم مطلقاً أبعد عن الوقوع فيما به هلكوا، وأن المشارك لهم في بعض هديهم يخاف عليه أن يكون هالكاً. و من ذلك أنه۔ صلى الله عليه و سلم۔ حذرنا عن مشابهة من قبلنا في أنهم كانوا يفرقون في الحدود بين الأشراف و الضعفاء، وأمر أن يسوي بين الناس في ذلك، و أن كثيراً من ذوي الرأي والسياسة قد يظن أن إعفاء الرؤساء أجود في السياسة''.

''گویا یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں سے مکمل اجتناب ہی ان خصلتوں سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے جو ان کی ہلاکت کا باعث بنی تھیں۔ اور جس کسی نے چند امور میں بھی یہود و نصاریٰ کی پیروی کی اس کے ہلاکت میں جا پڑنے کا اندیشہ ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پچھلے لوگوں کی اس خصلت سے بچنے کی تلقین کی ہے کہ وہ حدود کے معاملے میں معزز و با اثر

لوگوں اور ضعیف و درماندہ لوگوں کے درمیان تفریق کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم حدود کے معاملے میں سب کے درمیان مساوات کریں۔ لیکن اس کے برعکس بہت سے صاحبِ رائے اور ماہرِ سیاست حضرات کے نزدیک قوم کے بڑوں کو معاف کردینا ہی سیاسی اعتبار سے زیادہ بہتر ہوتا ہے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صریح متصادم ہے)''۔

پھر آپؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مخزومی عورت والی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''وكان بنو مخزوم من أشرف بطون قريش، واشتد عليهم أن تقطع يد امرأة منهم، فبين النبي ـ صلى الله عليه و سلم ـ أن هلاك بني إسرائيل إنما كان في تخصيص رؤساء الناس بالعفو عن العقوبات، و أخبر أن فاطمة ابنته ـ التي هي أشرف النساء ـ لو سرقت ـ و قد أعاذها الله من ذلك ـ لقطع يدها، ليبين أن وجوب العدل والتعميم في الحدود لا يستثنى منه بنت الرسول فضلا عن بنت غيره، و هذا يوافق ما في الصحيحين عن عبدالله بن مرة عن البراء بن عازب ـ رضي الله عنه ـ قال مر على النبي صلى الله عليه و سلم بيهودي محمم مجلود فدعاهم، فقال: ''أهكذا تجدون حد الزاني؟''...الحديث''.

''بنو مخزوم قریش کی معزز ترین شاخ تھے۔ ان پر یہ بات انتہائی گراں گزری کہ ان میں سے کسی عورت کا ہاتھ کاٹا جائے، لیکن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر واضح کردیا کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت کا باعث بھی یہی بات تھی کہ وہ قوم کے بڑوں سے خصوصی رعایت کرتے ہوئے ان کی سزائیں معاف کردیا کرتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلادیا کہ اگر آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا...... جو تمام عالم کی عورتوں سے زیادہ معزز ہیں...... اگر وہ بھی چوری کی مرتکب ہوتیں، اگرچہ اللہ نے آپؓ کو ایسے افعال سے بری کررکھا تھا، تو آپ ان کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتے۔ پس یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم واضح کردیا کہ حدود اللہ کے نفاذ اور عدل و انصاف کے وجوب میں سب لوگ برابر ہیں۔ کسی اور کی اولاد تو درکنار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی بیٹی بھی اس سے مستثنٰی نہیں۔ یہ بات صحیحین میں نقل کردہ اس حدیث سے بھی موافق ہے کہ جس میں عبداللہ بن مرہؒ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی کو لے جایا گیا جسے منہ کالا کر کے کوڑے مارے جا رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے استفسار فرمایا: کیا تم تورات میں زانی کی یہی حد پاتے ہو؟......الخ''۔[۲۲]

اسی طرح ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''ثم السلطان يؤاخذ على ما يفعله من العدوان و يفرّط فيه من الحقوق مع التمكّن''.

''جب حاکم حقوق میں کوتاہی اور زیادتی کا مرتکب ہو، تو اگر قدرت ہو تو اس کا بھی مؤاخذہ کیا جائے گا''۔[۲۳]

اسی طرح آپؒ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کسی معزز آدمی کو گالی دے اور اسے مارے، تو آپؒ نے فرمایا:

''و تجب عقوبة المعتدين أيضاً و إن كان شريفاً، فقد ثبت في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه و سلم أنه قال: ''إنما هلك من كان قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد. والذي نفس محمد بيده لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها''. وما يشرع فيه القصاص في الدماء والأموال و غيرها لا فرق فيه بين الشريف وغيره. قال النبي صلى الله عليه و سلم ''المسلمون تتكافأ دماؤهم و يسعى بذمتهم أدناهم'' الحديث، والله أعلم''.

''زیادتی کرنے والوں کو سزا دینا واجب ہے اگرچہ وہ معزز ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیحین میں منقول ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پچھلی امتوں کی ہلاکت کا باعث یہی بات تھی کہ اگر ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اُسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس ذات کی قسم

جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اگر فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کریں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں''۔

پس جان اور مال کے جن معاملات میں قصاص مشروع ہے ان میں معزز و غیر معزز کا کوئی فرق نہیں۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کا ادنیٰ ترین فرد بھی ان کی طرف سے کسی کو پناہ دے سکتا ہے......الخ''۔[۲۴]

تیسرا نکتہ: اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے، حتی کہ ان ادوار میں بھی جو خلافتِ راشدہ کے سنہری دور سے بہت دور تھے اور جب فساد بھی عام ہو چکا تھا

(الف) سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان کی مثال

سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان اپنے زمانے کی عظیم ترین سلطنت کے بادشاہ تھے اور اپنے عدل و انصاف کے سبب معروف تھے۔ امام ابنِ کثیرؒ نے آپ کی سوانح عمری میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ:

”واستعداه رجلان من الفلاحين على الامير خمارتكين؛ أنه أخذ منهما مالا جزيلاً و كسر ثنيتهما، و قالا: سمعنا بعدلك في العالم، فان أقدتنا منه كما أمرك الله و إلا استعدينا عليك الله يوم القيامة، وأخذا بركابه، فنزل عن فرسه، و قال لهما: خذا بكمي واسحباني إلى دار نظام الملك، فهابا ذلك، فعزم عليهما أن يفعلا ما أمرهما به، فلما بلغ النظام مجئ السلطان إليه خرج مسرعاً، فقال له الملك: إني إنما قلدتك الأمر لتنصف المظلوم ممن ظلمه، فكتب من فوره فعزل خمارتكين وحل أقطاعه، و أن يرد إليهما أموالها، و أن يقلعا ثنيتيه إن قامت عليه البينة، و أمر لهما الملك من عنده بمائة دينار“.

”ایک مرتبہ دو کسانوں نے آپ سے ’خمارتکین‘ نامی امیر کے خلاف شکایت کی کہ اس نے ان کا بہت سا مال چھین لیا ہے اور ان دونوں کے سامنے والے دو دو دانت توڑ ڈالے ہیں۔ ان کسانوں نے سلطان سے کہا کہ ہم نے پوری دنیا میں آپ کے عدل کا چرچا سُنا ہے۔ پس اگر تو آپ نے ہمیں اللہ کے حکم کے مطابق بدلہ دلوا دیا تو ٹھیک، ورنہ قیامت کے دن ہم اللہ کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ دائر کریں گے۔ پھر انہوں نے بادشاہ کے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ بادشاہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور ان سے کہا: میری آستین پکڑ لو اور مجھے گھسیٹتے ہوئے وزیر کے گھر لے چلو۔ یہ بات سن کر وہ دونوں گھبرا گئے، لیکن جب بادشاہ نے انہیں قسم دے کر کہا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وزیر کو بادشاہ کے اس طرح آنے کی خبر ملی تو وہ فوراً باہر نکل آیا۔

بادشاہ نے اس سے کہا: میں نے تمہیں اس لیے اس منصب پر بٹھایا تھا کہ تم مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاؤ! یہ سن کر وزیر نے فوری طور پر خمار تکین کی معزولی اور اس کی جاگیر کی ضبطی کا پروانہ جاری کیا۔ نیز یہ حکم بھی دیا کہ ان کسانوں کا مال واپس لوٹایا جائے اور ثبوت ملنے کی صورت میں یہ دونوں کسان خمار تکین کے سامنے والے اوپر اور نیچے کے دو دو دانت توڑ ڈالیں۔ پھر بادشاہ نے بھی ان دونوں کو سو دینار دیئے جانے کا حکم جاری کیا"۔[۲۵]

(ب) سلطانِ عادل نور الدین بن زنگی شہید رحمہ اللہ کی مثال

سلطانِ عادل نور الدین بن زنگی شہید رحمہ اللہ کے حوالے سے ابو شامہ المقدسیؒ، ابن اثیرؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"و كان عارفاً بالفقه على مذهب الإمام أبي حنيفة، رضي الله عنه، ليس عنده تعصب، بل الإنصاف سجيته في كل شيء. و سمع الحديث وأسمعه طلباً للأجر. و على الحقيقة فهو الذي جدد للملوك اتباع سنة العدل والإنصاف، وترك المحرمات من المأكل و المشرب و الملبس و غير ذلك؛ فإنهم كانوا قبله كالجاهلية: هم أحدهم بطنه و فرجه، لا يعرف معروفاً و لا ينكر منكراً، حتى جاء الله بدولته، فوقف مع أوامر الشرع ونواهيه، و ألزم بذلك أتباعه و ذويه، فاقتدى به غيره منهم، واستحيوا أن يظهر عنهم ما كانوا يفعلونه.

...... ومن عدله أنه كان يعظم الشريعة المطهرة و يقف عند أحكامها و يقول نحن شحن لها نُمضي أوامرها. فمن اتباعه أحكامها أنه كان يلعب بدمشق بالكرة، فرأى إنسانا يحدث آخر ويومئ بيده إليه، فأرسل إليه يسأله عن حاله. فقال: لي مع الملك العادل حكومة، و هذا غلام القاضي ليحضره إلى مجلس الحكم، يحاكمني على الملك الفلاني. فعاد إليه، ولم يتجاسر أن يعرفه ما قال ذلك الرجل، و عاد يكتمه، فلم يقبل منه غير الحق، فذكر له قوله. فألقى الجوكان من يده، و خرج من الميدان، و سار إلى القاضي، و هو حينئذ كمال الدين ابن الشهرزورى، و أرسل إلى القاضي يقول له إنني قد جئت محاكماً،

فاسلك معي مثل ما تسلكه مع غيري. فلما حضر ساوى خصمه، وخاصمه وحاكمه، فلم يثبت عليه حق؛ و ثبت الملك لنور الدين. فقال نور الدين حينئذ للقاضي و لمن حضر :هل ثَبت له عندي حق؟ قالوا لا. فقال:اشهدوا أنني قد وهبت له هذا الملك، الذي قد حاكمني عليه، و هُوَ لَهُ دُوني؛ وقد كنت أعلم أن لا حق له عندي، و إنما حضرت معه لئلا يظن بي أني ظلمته، فحيث ظهر أن الحق لي وهبته له. قال ابن الأثير:وهذا غاية العدل والإنصاف، بل غاية الإحسان، وهي درجة وراء العدل. فرحم الله هذه النفس الزكية الطاهرة، المنقادة للحق، والواقفة معه.

قلت:وهذا مستكثر من ملك متأخر بعد فساد الأزمنة وتفرق الكلمة؛ وإلا فقد انقاد إلى المضي إلى مجلس الحكم جماعة من المتقدمين مثل عمر وعلي ومعاوية رضي الله عنهم، ثم حكى نحو ذلك عن أبي جعفر المنصور. وقد نقلنا ذلك كله في التاريخ الكبير، وفيه عن عبد الله بن طاهر قريب من هذا، لكنه أحضر الحاكم عنده ولم يمض إليه. وقد بلغني أن نور الدين رحمه الله تعالى استُدعى مرة أخرى بحلب إلى مجلس الحكم بنفسه أو نائبه؛ فدخل حاجبه عليه متعجبا، وأعلمه أن رسول الحاكم بالباب، فأنكر عليه تعجبه وقام ـ رحمه الله ـ مسرعاً، ووجد في أثناء طريقه ما منعه من العبور من حفر جب بعض الحشوش واستخراج ما فيه؛ فوكل من ثم وكيلاً، وأشهد عليه شاهدين بالتوكيل و رجع".

''آپ مذہبِ امام ابوحنیفہؒ کی فقہی آراء کا بھی گہرا علم رکھتے تھے۔آپ کے یہاں تعصب نام کی کوئی چیز نہ تھی، بلکہ ہر معاملے میں عدل و انصاف ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔آپ نے اجرو ثواب کی خاطر حدیث کا علم بھی سیکھا اور سکھایا۔درحقیقت آپ ہی نے بادشاہوں میں عدل و انصاف کی سنت تازہ کی اور کھانے، پینے اور لباس وغیرہ میں حرام امور ترک کرنے کا طریقہ زندہ کیا۔آپ سے پچھلے حکمرانوں میں جاہلیت کے طور طریقے رائج ہو چکے تھے اور ان کی تمام تر

توجہ کا مرکز بس ان کا پیٹ اور شرم گاہ تھا۔ وہ نہ تو بھلائی کو بھلائی سمجھتے تھے، نہ ہی برائی کو برائی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نور الدین زنگی رحمہ اللہ کو برسرِ اقتدار لائے اور انہوں نے شریعت کے اوامر ونواہی کی پابندی کی اور اپنے متبعین اور اہل خانہ کو بھی اس کا پابند بنایا۔ پس یہ دیکھ کر دیگر لوگ بھی آپ کی پیروی کرنے لگے اور اپنے سابقہ اعمال جاری رکھنے سے شرمانے لگے۔

......آپ کے عدل وانصاف پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ شریعتِ مطہرہ کی تعظیم کرتے تھے، اس کے احکام کے سامنے توقف اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: ہم تو شریعت کی نگہبان فوج ہیں، ہمارا تو کام ہی شرعی احکامات کو جاری کرنا ہے۔

آپ کی اتباعِ شریعت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ دمشق میں گیند سے کھیل رہے تھے کہ آپ نے دیکھا؛ ایک شخص ایک دوسرے فرد سے بات چیت کررہا ہے اور اپنے ہاتھ سے آپ کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس شخص کا معاملہ دریافت کرنے کے لیے ایک کارندہ اس کی طرف بھیجا۔ اس شخص نے آپ کے کارندے سے کہا کہ: اس عادل بادشاہ کے خلاف میرا ایک مقدمہ ہے، اور میرے ساتھ موجود یہ دوسرا شخص قاضی کا لڑکا ہے۔ اسے چاہئے کہ سلطان کو عدالت میں طلب کرے تاکہ اس کے خلاف میرا مقدمہ چلایا جاسکے۔ سلطان کا کارندہ جب واپس لوٹا تو اسے یہ جسارت نہ ہوئی کہ اس شخص کی بات سلطان کو بتلائے اور وہ بات چھپانے لگا، لیکن جب سلطان نے زور دے کر کہا کہ مجھے سچ سچ بات بتادو تو اس نے پوری بات بتلادی۔ اس کی بات سن کر سلطان نے فوراً لاٹھی اپنے ہاتھ سے پھینکی اور میدان سے نکل کر قاضی کے پاس پہنچ گئے جو کہ اس وقت کمال الدین شہرزوری تھے۔ آپ نے اس سے کہا کہ: میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میرے خلاف مقدمہ ہے لہٰذا میرے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کرنا جو تم دوسروں کے ساتھ روا رکھتے ہو۔ چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا تو قاضی نے انہیں مخالف فریق کے ساتھ ہی کھڑا کیا۔ پھر ان سے پوری پوچھ گچھ اور معاملے کی جانچ پڑتال کی گئی، لیکن سلطان کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہوسکی اور زیرِ بحث چیز کی ملکیت سلطان ہی کے لیے ثابت ہوئی۔ اس موقع پر نور الدینؒ نے قاضی اور تمام حاضرین سے مخاطب ہوکر پوچھا: کیا اس شخص کا مجھ پر کوئی حق ثابت ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو بادشاہ نے کہا: تم سب گواہ

رہنا کہ جس چیز کی خاطر اس شخص نے میرے خلاف مقدمہ کیا تھا میں نے اس کی ملکیت اسے بخش دی، یہ اب میری نہیں بلکہ اس کی ملکیت ہے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ میں نے اس کا حق غصب نہیں کیا لیکن اس کے باوجود میں یہاں حاضر ہوا تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔ چنانچہ اب جبکہ یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ میں حق پر ہوں، میں یہ چیز اسے ہی بخشتا ہوں''۔

ابن اثیرؒ فرماتے ہیں:

''یہ تو عدل وانصاف کی انتہا ہے، بلکہ احسان کی انتہا ہے جو کہ عدل سے بھی اونچا درجہ ہے! اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ نفس پر رحم فرمائے جو حق کے سامنے جھکنے اور حق پر ٹھہر جانے والا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ فسادِ زمانہ اور تفریقِ وحدت کے بعد آنے والے ایک بادشاہ سے ایسا عدل وانصاف ظاہر ہونا بہت بڑی بات ہے، ورنہ خود عدالت تک چل کر جانا اور اس کے فیصلوں کو قبول کرنا تو بس سلف میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر خلفاء کی شان تھی۔ اور بعد کے ادوار میں خلیفہ ابوجعفر منصور کے بارے میں ایسی روایات ملتی ہیں۔ ہم نے ''التاریخ الکبیر'' میں یہ تمام روایات نقل کر دی ہیں۔ ان میں عبداللہ بن طاہر کے متعلق بھی اسی قسم کی حکایت موجود ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ اس نے قاضی کو اپنے پاس بلایا تھا، خود قاضی کی عدالت میں نہیں گیا تھا۔ اسی طرح مجھے نورالدین زنگیؒ کے متعلق یہ روایت بھی ملی ہے کہ ایک مرتبہ انہیں حلب کی عدالت میں طلب کیا گیا کہ وہ خود آئیں یا اپنے نائب کو وہاں بھیجیں۔ آپ کا دربان یہ پیغام لے کر انتہائی تعجب کے ساتھ اندر داخل ہوا اور آپ کو بتایا کہ قاضی کا قاصد دروازے پر کھڑا ہے۔ نورالدین رحمہ اللہ نے دربان کو اس اظہارِ تعجب پر ٹوکا اور فوراً روانگی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ البتہ راستے میں کچھ کھدائی کا کام جاری تھا جس کی بناء پر آپؒ آگے نہ جا سکے لیکن وہیں پر آپ نے دو گواہوں کی موجودگی میں اپنا وکیل مقرر کیا (تا کہ وہ عدالت میں آپ کی جگہ حاضری دے) اور خود واپس پلٹ آئے''۔[۲۶]

آپؒ ہی کے متعلق ابنِ اثیرؒ فرماتے ہیں:

''وبنى دار العدل في بلاده، وكان يجلس هو والقاضي بها ينصف المظلوم،

ولو أنه يهودي، من الظالم، ولو أنه ولده أم أكبر أمير عنده".

''انہوں نے اپنی مملکت میں دار العدل بنوایا تھا جس میں وہ خود بھی قاضی کے ہمراہ بیٹھتے تھے۔ پھر مظلوم کو، اگر چہ وہ یہودی ہی کیوں نہ ہو، انصاف مہیا کرتے اور ظالم سے اس کا حق دلواتے اگر چہ وہ ظالم ان کا سگا بیٹا یا کوئی بڑے سے بڑا امیر ہی کیوں نہ ہو''۔[۲۷]

حواشی

۱۔ صحیح البخاري . كتاب الحدود ، باب كراهية الشفاعة فى الحد إذا رفع إلى السلطان ، حديث (۶۴۰۶) ۲۴۹۱/۶

۲۔ فتح الباري لابن حجر . كتاب الحدود ، باب كراهية الشفاعة فى الحد إذا رفع إلى السلطان ، حديث (۶۴۰۶) ۹۶/۱۲

۳۔ مجموع فتاوىٰ ابن تيمية . السياسة الشرعية في إصلاح الراعي الرعية ، فصل فى أن الحكم بين الناس يكون في الحقوق والحدود ، القسم الأول :الحدود وا لحقوق التي ليست لقوم معينين . ۲۸/ ۲۹۹

۴۔ صحيح مسلم . كتاب الحدود ، باب رجم اليهود أهل الذمة في الزاني . حديث (۱۷۰۰) ۳/ ۱۳۲۷

۵۔ سنن البيهقي الكبرىٰ . باب ماجاء في قتل الأمام ۴۹/۸، وباب ماجاء في قبلة الجسد حديث (۱۳۳۶۴) ۱۰۲/۷، سنن أبى داود. كتاب الأدب ، باب فى قبلة الجسد حديث (۵۲۲۴) ۳۵۶/۴

۶۔ كشف الخفاء . حرف الطاء المهملة ، طلب الإستقادة من النبي صلى اللّٰه عليه وسلم . حديث (۱۶۶۱) ۵۳/۲

۷۔ مشكاة المصابيح بتحقيق الألباني حديث (۴۶۸۵) ۱۴/۳، صحيح و ضعيف سنن أبى داود حديث (۵۲۲۴) ۲۲۴/۱۱

۸۔ سيرة ابن هشام . غزوه بدر الكبرىٰ ۶۲۶/۱

۹۔ السلسلة الصحيحة حديث (۲۸۳۵) ۳۳۴/۶

۱۰۔ البداية والنهاية . فصل في ذكر أمور مهمة وقعت بعد وفاته صلى اللّٰه عليه وسلم وقبل دفنه ومن أعظمها وأجلها وأيمنها بركة على الاسلام و أهله بيعة أبي بكر الصديق رضي اللّٰه عنه ۲۴۸/۵. *مزید دیکھئے* : تاريخ الطبرى . ثم دخلت سنة إحدى عشرة ۲۳۸/۲، المعجم الأوسط للطبراني . باب العين ، من اسمه منتصر، حديث (۸۵۹۷) ۲۶۷/۸، مجمع الزوائد .كتاب الخلافة ، باب الخلفاء الأربعة ۱۸۳/۵، كنز العمال . حرف الخاء ، كتاب الخلافة مع الإمارة حديث (۱۴۰۵۰)، (۱۴۰۶۴)، (۱۴۰۷۳)، (۱۴۱۱۲) ۵۸۹/۵ إلى ۶۳۳، تاريخ الخلفاء. أبو بكر الصديق ، فصل في مبايعته رضي اللّٰه عنه ۶۸:۶۷/۱

۱۱۔ مسند أحمد . مسند عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه ، حديث (۲۸۶) ۴۱/۱، سنن أبي داود .كتاب الديات، باب القود من الضربة و قص الأمير من نفسه ،حديث (۴۵۳۷) ۱۸۳/۴.الأحاديث المختارة للضياء المقدسى حديث (۱۱۶) ۲۱۹/۱، المستدرك على الصحيحين للحاكم النيسابوري. كتاب الفتن والملاحم، حديث (۸۳۵۶) ۴۸۵/۴، مصنف ابن أبى شيبة . مايوصى به الامام الولاة اذا بعثهم، حديث (۳۲۹۲۱) ۴۶۱/۶.السنن الكبرىٰ للبيهقى.باب ماجاء فى قتل الامام ۴۸/۸ و باب الإمام لا يجمر بالغزى ۲۹/۹ و باب ما على الوالي من أمر الجيش ۴۲/۹، مسند أبي يعلىٰ . مسند عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه، حديث (۱۹۶) ۱۷۵/۱ ، تاريخ الطبرى . ثم دخلت سنة ثلاثة و عشرين ، ذكر الخبر عن وفاة عمر، ذكر بعض سيره ۲/ ۵۶۷.

۱۲۔ الحرية أو الطوفان للدكتور حاكم المطيرى ص:۸۳

۱۳۔ مصنف ابن أبي شيبه . ماجاء في خلافة عثمان و قتله ، حديث (۳۷۰۷۹) ۴۴۱/۷، وما ذكر في فتنة الدجال.

حدیث (۳۷۶۵۴) ۷/ ۵۱۴، الطبقات الکبریٰ لابن سعد . ذکر قتل عثمان بن عفان رحمة اللّٰہ علیه ۳/۷۲، تاریخ الطبري . ثم دخلت سنة خمس و ثلاثین ، ذکر الخبر عن قتله و کیف قتل ۲/۶۶۴

۱۴ ابن علیہ رحمہ اللہ کی سوانح عمری کیلئے رجوع کیجئے: سیر أعلام النبلاء . ابن علیه ۹/۱۰۷. اور ابن عون رحمہ اللہ کی سوانح عمری کیلئے رجوع کیجئے: سیر أعلام النبلاء . عبدا للّٰہ بن عون ۶/۳۶۴

۱۵ معرفة السنن والآثار للبیهقي . کتاب الجراح ، القصاص فیما دون النفس ۱۳/۱۹۲:۱۹۳، مصنف عبد الرزاق . باب قود النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم من نفسه ۹/۴۶۸، الطبقات الکبریٰ لابن سعد . ذکر إعطائه القود من نفسه صلی اللّٰہ علیه وسلم ۱/ ۳۷۴

۱۶ الأم . جماع القصاص فیما دون النفس ۶/۵۰

۱۷ تفسیر القرطبي . تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿ولکم فی القصاص حیاة یا أولی الاباب لعلکم تتقون﴾ البقرة آیة (۱۷۹) ۲/۲۵۶

۱۸ أحکام القرآن للجصاص . سورة آلِ عمران ، باب فرض الامر بالمعروف والنهی عن المنکر ۳/۴۶۷:۴۶۸

۱۹ الفصل في الملل والأهواء والنحل . الکلام في الأمامة والمفاضلة ۱ / ۴۶۲

۲۰ الفصل في الملل والأهواء والنحل . الامر بالمعروف والنهی عن المنکر ۲ / ۱۶

۲۱ المحلی . مسألة رقم (۲۰۹۹) ، اقالة ذي الهیئة عثرته ۱۰/ ۵۲۴

۲۲ اقتضاء الصراط المستقیم. فصل في ذکر الأدلة من الکتاب والسنة والاجماع علی الأمر بمخالفة الکفار والنهي عن التشبه بهم ۱/۱۰۶:۱۰۷

۲۳ مجموع فتاویٰ ابن تیمیة . فصل جامع في تعارض الحسنات والسیئات ۴/۲۴۱

۲۴ مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ۹/۲۲۸

۲۵ البدایة والنهایة . ثم دخلت سنة خمس و ثمانین وأربعمائة ، وممن توفي فیها من الأعیان ، السلطان ملك شاه جلال الدین والدولة ۱۲/۱۷۶

۲۶ الروضتین في أخبار الدولتین النوریة والصلاحیة ۱/۸، اسی طرح رجوع کیجئے، الکامل لابن الأثیر . ثم دخلت سنة تسع و ستین و خمسائة ، ذکر وفاة نور الدین محمود بن زنکي ۵/۱۲۵

۲۷ الکامل لابن الأثیر . ثم دخلت سنة تسع و ستین و خمسائة ، ذکر وفاته نور الدین محمود بن زنکي ۵/۱۲۵

(ب) دوسرا مبحث

دستورِ پاکستان کی وہ دفعات
جو بعض شخصیات کو محاکمے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں

دفعہ ۴۸

دستور پاکستان کی دفعہ ۴۸ یہ کہتی ہے کہ اپنے فرائض اور دیگر امور کی انجام دہی میں صدرِ پاکستان کو کابینہ یا وزیرِ اعظم کے مشورے کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

پھر اسی دفعہ کی دوسری شق میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ پہلی شق میں بیان کردہ اصول کے باوجود، جن امور میں صدر کو اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے کا حق حاصل ہے وہاں وہ اپنی صوابدید سے عمل کرے گا؛ اور جو کام صدر نے اپنی صوابدید پر کیے ہوں ان پہ کسی بھی وجہ سے، خواہ کچھ بھی ہو، اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اسی دفعہ کی چوتھی شق میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ کسی قسم کی عدالت، ٹریبونل یا ہیئتِ مجازیہ (یعنی کوئی اور مجاز ادارہ) تفتیش کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ کابینہ، وزیرِ اعظم، کسی وزیر یا وزیرِ مملکت نے صدر کو مشورہ دیا تھا یا نہیں؛ اور اگر دیا تھا تو کیا مشورہ دیا تھا۔[۱]

گویا اگر صدرِ پاکستان فوج کو یہ حکم دے کہ قبائل پر حملہ کر کے انہیں روند ڈالو، یا اپنے خفیہ اداروں کو یہ حکم دے کہ ایسی تمام معلومات امریکیوں کے حوالے کر دی جائیں جو انہیں افغانستان پر حملے یا عرب و غیر عرب مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لیے درکار ہیں یا اسی طرح انہیں حکم دے کہ گرفتار شدہ مجاہدین امریکہ کے حوالے کر دو...... تو اسے یہ سب احکامات صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پھر اگر کوئی وزیر، صدر کو یہ نصیحت کرے کہ یہ تمام افعال اسلام، اخلاق اور مروت کے منافی ہیں، اور ان کے نتیجے میں پاکستان مصائب کا شکار ہوگا، لیکن صدر پھر بھی ان تمام جرائم کی تنفیذ پر مصر رہے، تو نہ اس سے پوچھ گچھ ممکن ہے، نہ ہی اس کے خلاف یہ حجت قائم کرنا ممکن ہے کہ اس پر جرم اچھی طرح واضح کر دیا گیا تھا پھر بھی اس نے اس کا ارتکاب کیا۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ دفعہ ۴۸ کی عبارت میں عموم اور اطلاق پایا جاتا ہے۔ یہ دفعہ ان دو قسم کے مسائل میں تفریق نہیں کرتی؛ ایک وہ مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے اور مصلحت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صدر ان میں اجتہاد کرسکتا ہے، اور دوسرے وہ جن میں اپنی عقل لڑانا اور کمی بیشی کرنا حرام ہے، اور ایسا کرنا کبھی فسق تک لے جاتا ہے اور کبھی کفر تک۔ الغرض یہ دفعہ صدر کو اس کے ہر فعل میں کھلی چھوٹ اور تحفظ فراہم کرتی ہے، خواہ اس کا فعل شریعت سے موافق ہو یا شریعت کے مخالف۔

دفعہ ۲۴۸

آئینِ پاکستان کی دفعہ ۲۴۸ صدرِ پاکستان، وزیرِ اعظم، صوبوں کے گورنر، وزرائے اعلیٰ اور وفاقی وصوبائی وزراء کے ان تمام افعال کو مطلق طور پر ہر قسم کی عدالتی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے جو انہوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کئے ہوں۔

بالخصوص صدر اور گورنر کے خلاف نہ تو کسی قسم کی قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے، نہ ان کی گرفتاری کے حکم نامے جاری ہوسکتے ہیں، نہ ہی کسی شرعی یا غیر شرعی عدالت کے قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ صدارت و گورنری کے دوران انہیں عدالت میں طلب کرے۔[۲]

معروف قانون دان محمد رفیق بٹ اس دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ دفعہ اس عمومی قاعدے سے استثناء کی حیثیت رکھتی ہے کہ 'کوئی شخص بھی قانون سے بالاتر نہیں''۔[۳]

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال پیدا ہونا ممکن ہے کہ: دفعہ ۲۴۸ تو ان عہدیداران کو صرف ان کے فرائض کی انجام دہی سے متعلق تحفظ فراہم کرتی ہے، نہ کہ انہیں قانون و دستور کی مخالفت کا اختیار دیتی ہے۔ پس جب انہیں پاکستان کے اس اسلامی دستور و قانون کی مخالفت کا اختیار نہیں دیا جارہا تو پھر کیا شرعی قباحت باقی رہ جاتی ہے؟

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ:

(الف) پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کا دستور اور قانون دونوں ہی خلافِ شرع امور سے پُر ہیں اور کسی صاحبِ عقل وفہم کے لیے اس امر میں شک کرنا ممکن نہیں۔ اسی مناسبت سے ذکر کرتا چلوں کہ مفتی

محمود رحمہ اللہ نے ۱۹۶۹ء میں یہ اعلان کیا تھا کہ:

''حکومتی ٹولے نے قیامِ پاکستان کے ۲۲ سال گزر جانے کے بعد بھی شرعی نظام نافذ نہیں کیا اور پاکستانی عدالتیں مسلسل استعماری عیسائیوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلے دیتی چلی آرہی ہیں''۔[۴۱]

پس اگر ۱۹۶۹ء میں آپؒ کا تبصرہ یہ تھا، تو اب سن ۲۰۰۹ء میں کیا کہنا چاہیے جب کہ حکومتِ پاکستان اسلام کے خلاف لڑی جانے والی صلیبی جنگ میں پوری طرح شریک ہو چکی ہے؟ بلاشبہ آج بھی اس دستور وقانون کی پیروی کرتے رہنا بہت خطرناک شرعی مخالفتوں میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔

(ب) اگر ایک لمحے کے لیے اس دستور وقانون کو اسلامی دستور وقانون مان لیا جائے، تب بھی دفعہ ۲۴۸ کی عبارت کچھ یوں ہونی چاہیے تھی:

''مذکورہ اشخاص اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران دستور وقانون کے موافق جو افعال سر انجام دیں گے، ان پر کسی قسم کی سزا نہیں ہوگی''۔

لیکن دفعہ ۲۴۸ تو عدالتوں کو یہ اختیار بھی نہیں دیتی کہ وہ ان اشخاص کو اپنے پاس طلب کریں اور دیکھیں کہ ان کے کون سے افعال موافقِ دستور ہیں اور کون سے مخالف۔ اگر یہ لوگ واقعی بے قصور ہیں اور انہوں نے ہر کام حسنِ نیت کے ساتھ دستور وقانون کے موافق کرنے کی کوشش کی ہے، تو پھر یہ عدالتی کارروائی کا سامنا کرنے سے کیوں ڈرتے ہیں؟ کیوں یہ ایسی قانونی عبارتوں کا سہارا لینے پر مصر ہیں جو انہیں ہر قسم کی پوچھ گچھ سے مکمل تحفظ فراہم کرتی ہیں؟

(ج) دستور میں یہ بات تو درج ہے کہ مذکورہ اشخاص اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے دوران جو افعال بھی کریں ان کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی ...... لیکن ایسی کوئی شرط نہیں مذکور کہ ان افعال کا شریعت سے موافق ہونا لازم ہے، نہ ہی ایسی کوئی تصریح کی گئی ہے کہ یہ قانونی تحفظ محض اجتہادی امور کے دائرے تک محدود ہے۔ دفعہ ۲۴۸ تو شریعت سے متعلقہ کسی قید کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کرتی۔

(د) جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں، شریعتِ اسلامیہ میں یہ تصور سرے سے پایا ہی نہیں جاتا کہ کسی خاص شخصیت کو عدالت میں حاضری سے بالاتر سمجھا جائے۔ شریعت تو ہر وزیر، حکمران یا صدر پر واجب کرتی ہے کہ جب اسے عدالت میں طلب کیا جائے تو وہ حاضر ہو اور دلائل سے یہ بات

ثابت کرے کہ اس نے جس فعل کا ارتکاب کیا ہے وہ شرعی احکامات کے موافق ہے یا وہ ان امور میں سے ہے جن میں اجتہاد کی اجازت ہماری شریعت میں موجود ہے۔ پھر یہ معاملہ شرعی عدالت کے سپرد کیا جائے کہ وہ اس کے تصرفات کو صحیح یا غلط قرار دے اور اس کے نتیجے میں اسے بری کرے یا سزا کا مستحق ٹھہرائے۔

(ہ) یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ کوئی بھی حکومتی ذمہ دار خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر کیوں نہ فائز ہو، اس کا شرعی عدالت میں پیش ہونے سے انکار کرنا بذاتِ خود ایک شرعی جرم ہے، چاہے وہ اس جرم سے بالکل بری ہو جس کے الزام میں عدالت نے اسے طلب کیا ہو۔

چنانچہ یہ بات تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ دستورِ پاکستان کی دفعہ ۲۴۸، جو بعض حکومتی عہدیداران کو عدالت میں پیشی سے تحفظ فراہم کرتی ہے، شریعت سے صراحتاً متصادم ہے۔ اور یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذاتِ خود صرف فسق ہی ہو۔[۵]

آگے آنے والی مثالوں سے قارئین پر یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ دفعہ ۲۴۸ میں بیان کردہ یہ غیر شرعی اصول محض دستور کے صفحات تک محدود نہیں، بلکہ یہ تو ایک معمول بہا قاعدہ بن چکا ہے۔ جب بھی فوج کا کوئی سربراہ حکومت کا تختہ اُلٹتا ہے تو ایمرجنسی نافذ کر کے اپنی مرضی کے قوانین، احکام اور ضابطے صادر کرتا ہے۔ پھر یہ مرحلہ گزرنے کے بعد وہ مختلف شیطانی حیلے استعمال کر کے پارلیمان سے ان تمام کرتوتوں پر عام معافی حاصل کر لیتا ہے جو اس سے ایمرجنسی کے دوران صادر ہوئیں اور یہ عام معافی اسے ہر قسم کی عدالتی کارروائی سے مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے۔ حضرات! یہ ہے پاکستان کا اسلامی دستور!

﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ (الأنعام ۱۳۶)

"کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں!"

دستور کی یہ دفعہ ہمیں تاریخ کا ایک انوکھا لطیفہ یاد دلاتی ہے۔ جب اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک کو خلافت کا منصب حاصل ہوا تو اس نے اپنے پیش رو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے صالح طور طریقوں پر چلنے کا ارادہ کیا۔ اس کے برے ہم نشینوں نے اسے اس نیک ارادے سے باز رکھنے کے لیے بیس علماء...... اور ایک روایت کے مطابق چالیس علماء...... کو جمع کیا جنہوں نے اللہ کی قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو خلیفہ بناتا ہے تو اس کی نیکیاں قبول کرتا ہے اور اس کے گناہوں سے درگزر

فرماتا ہے۔[٦] (بالکل اسی طرح آج دستورِ پاکستان بھی پاکستانی حکمرانوں کے تمام جرائم پر پردے ڈالتا ہے اور انہیں مکمل قانونی تحفظ فراہم کرتا ہے تاکہ وہ ہر قسم کے محاسبہ سے بے خوف ہو کر گناہ بلکہ کفر تک کے مرتکب ہوں۔)

دفعہ ۲۴۵

دستور کی دفعہ ۲۴۵ کے مطابق مسلح افواج کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی بیرونی حملے یا خطرۂ جنگ کی صورت میں وفاقی حکومت کے احکامات کے مطابق پاکستان کا دفاع کریں، اور جب انہیں شہری انتظامیہ کی مدد کے لئے طلب کیا جائے تو اس کی مدد کریں۔

پھر اسی دفعہ کی شق دوم میں کہا گیا ہے کہ اس حوالے سے وفاقی حکومت جو احکامات بھی جاری کرے، ان کی صحت کو کسی عدالت میں زیرِ بحث نہیں لایا جا سکتا۔[۷]

یعنی پاکستان بھر کو امریکہ کی خدمت پر مامور کرنا اور اس کے تمام افرادی و مالی وسائل صلیبی قوتوں کے تابع کرنا پرویز مشرف کا دستوری حق تھا۔ اس گھناؤنے جرم کو سندِ جواز عطا کرنے کے لئے بس یہی دلیل کافی سمجھی گئی کہ ''اگر ہم ایسا نہ کرتے تو امریکہ پاکستان کو تباہ کر ڈالتا''، اور یہی باطل دلیل پرویز نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل کتاب میں بھی ذکر کی ہے۔[۸]

اسی طرح دستورِ پاکستان ہی نے پرویز کو یہ اختیار بخشا کہ وہ پاکستانی فوج کو صلیبی اتحاد کا حصہ بنائے اور اُس مسلمان، پڑوسی، دوست ملک افغانستان کو تباہ کرنے کا حکم دے جس نے روسی حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے لاکھوں شہداء کی قربانی پیش کی یہاں تک کہ پاکستان روس کے شر سے محفوظ ہو گیا۔ اسی 'اسلامی' دستور سے وفاداری نبھاتے ہوئے پاکستانی مسلح افواج، پولیس اور خفیہ ادارے افغانستان کے مسلمانوں کے قتلِ عام، امارت اسلامیہ کے خاتمے، اس کی قیادت اور ذمہ داران کی جلاوطنی اور اس کے عرب و غیر عرب انصار کے قتل، گرفتاری، تعذیب اور پھر امریکہ کے حوالے کر دینے جیسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہوئے۔ پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کے بعد پرویز نے انہی اداروں کو داخلِ پاکستان بھی مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کے گھر اور بستیاں برباد کرنے، اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر بمباری کرنے، اس کے طلبہ و طالبات کو بے دردی سے قتل کر کے ان کی قبریں تک چھپا دینے کے احکامات دیئے۔ لیکن یہ سب قیامتیں ٹوٹنے کے بعد بھی 'اسلامی' جمہوریۂ پاکستان کا 'اسلامی' دستور پرویز مشرف کو مکمل تحفظ دیئے،

آج تک اس کے محاسبہ کی راہ میں حائل ہے۔ پس نہ تو کوئی شرعی عدالت، نہ ہی کوئی شیطانی عدالت پرویز کو طلب کرنے اور محض عدالت میں پیشی پر مجبور کرنے کی جرأت رکھتی ہے۔ پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارا دستور اسلامی ہے'......**یا للعجب!**

﴿**كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا**﴾ (الکھف: ۵)

''بہت سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے''۔

آیئے ذرا دستورِ پاکستان میں موجود ان انحرافات کو **امام ابو بکر جصاص** کی پہلے ذکر کردہ عبارت کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں، جہاں آپ نے یہ امر واضح کیا ہے کہ حکمرانوں کے جرائم پر خاموشی اختیار کرنا اور انھیں نیکی کا حکم نہ دینا اور برائی سے نہ روکنا کیسے خطرناک مفاسد اور نقصانات کا باعث کا بنتا ہے۔ فائدے کے پیشِ نظر ہم ان کا کلام یہاں دہرائے دیتے ہیں:

''پس یہ لوگ[9] اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم و جبر پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق و فجار غالب آئے، مجوس اور دیگر دشمنانِ اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں، دین و دنیا لٹ گئے اور زندقہ، غلو اور مذاہبِ شنویہ، خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے، **واللہ المستعان**''۔[10]

دفعہ ۲۷۰

دستور کی دفعہ ۲۷۰ کے مطابق ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء تک صادر ہونے والے تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط، اور دیگر قوانین پر کسی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔[11]

دفعہ ۲۶۹

پاکستانی دستور کی دفعہ ۲۶۹ کہتی ہے کہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سے لے کر ۲۰ اپریل ۱۹۷۲ء کے درمیان

جاری ہونے والے تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط، اور دیگر قوانین کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ نہیں دائر کیا جا سکتا۔[۱۲]

دفعہ ۲۷۰، الف

دفعہ ۲۷۰ الف کی رو سے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا اعلان، تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط و احکامات، ۱۹۸۴ء کے ریفرنڈم، دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم اور اس کے علاوہ وہ تمام احکامات وقوانین جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر ہوئے......ان تمام پر ان کے نتائج واثرات سمیت کسی بھی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔[۱۳]

لیکن سپریم کورٹ نے دفعہ ۲۷۰ الف کے حوالے سے اپنا ایک فیصلہ سناتے ہوئے[۱۴] کہا ہے کہ قراردادِ مقاصد میں شامل تمام احکامات اور اصول دستور کا اساسی اور نافذ العمل حصہ ہیں اور ریاست کے کسی اہلکار کو بھی قراردادِ مقاصد کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں۔ جو ریاستی اہلکار بھی ان حدود سے تجاوز کرے تو اس کے اس عمل کو قرآن وسنت سے ثابت شدہ حدودِ الٰہی اور اسلامی تقاضوں کی مخالفت کے سبب غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آخری مارشل لائی احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷۰ الف کی بنیاد پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے، اگر وہ بھی اسلام اور قراردادِ مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابند ہیں کہ اس دفعہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ لاگو کریں جو اللہ مالک الملک سبحانہ وتعالیٰ کے قانونِ اعلیٰ سے مطابقت نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔[۱۵]

اس فیصلے پر تفصیلی بحث تو ہم ان شاء اللہ پہلی فصل کے تیسرے باب میں کریں گے جہاں ہم نے پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں کی روشنی میں قراردادِ مقاصد اور دستور کی دفعہ ۲ الف کا جائزہ لیا ہے۔ البتہ یہاں ہم اس فیصلے کے حوالے سے چند مختصر گزارشات کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

(الف) عدالت کا فرض تھا کہ وہ دفعہ ۲۷۰ الف میں بیان کردہ اصول کو، جو کہ کئی دیگر دفعات میں بھی بیان کیا گیا ہے، باطل قرار دے کیونکہ شریعت میں کسی کو بھی عدالتی پیشی سے کوئی تحفظ حاصل نہیں، خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، سبھی پر عدالت میں مقدمہ کیا جا سکتا ہے۔

(ب) عدالت نے قراردادِ مقاصد کے ساتھ یوں معاملہ کیا ہے گویا وہ شرعی احکامات کے مترادف ہے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان کئی بنیادی فرق ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) قراردادِ مقاصد انسانوں کے وضع کردہ ایک دستور کی عبارت ہے جسے پہلی دستور ساز کمیٹی نے غالب اکثریت سے منظور کیا تھا اور اس کے بعد اسی اسلوب سے یہ مختلف دساتیر کا حصہ بنی، جبکہ شریعت تو وحیٔ الٰہی ہے اور اپنی منظوری کے لئے کسی بھی انسان کی موافقت کی محتاج نہیں۔

(۲) قراردادِ مقاصد اور تمام دستوری دفعات قانونی حیثیت تبھی حاصل کرتی ہیں جب انہیں استصوابِ رائے یا ایسے دیگر ذرائع سے عوامی تائید حاصل ہو، جبکہ شریعت کو اسی وقت یہ حیثیت مل جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ اسے نازل فرماتے ہیں۔ شریعت کی حیثیت منوانے کے لئے کسی قسم کا استصوابِ رائے کرانا قطعاً قابلِ قبول نہیں۔ شریعت تو انسانوں پر حاکم بن کر آتی ہے، نہ کہ انسانی آراء کی محکوم۔ اسی لئے شریعت کو قبول کرنے، نہ کرنے کے معاملے پر عوام سے رائے لینا یا استصوابِ رائے کروانا خود شریعت سے بغاوت کے مترادف ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:۶۵)

''تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک (اے نبیؐ) تمہیں اپنے باہمی تنازعات میں منصف نہ بنالیں اور جو فیصلہ تم کردو اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کردیں''۔

اسی طرح اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (هود:۱۱۲)

''(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) جیسا آپ کو حکم ہوا ہے، (اس پر) آپ اور جو آپ کے ساتھ تائب ہوئے ہیں قائم رہیے اور حد سے تجاوز نہ کیجئے، وہ آپ کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الأحزاب:۳۶)

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر

دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار باقی سمجھیں، اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں جا پڑا''۔

(۳) اسی طرح پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی دستوری عبارت میں مکمل آزادی کے ساتھ ترمیم کر سکے، جیسا کہ ہم پہلے باب میں وضاحت کر چکے ہیں، جبکہ شرعی احکامات میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی۔ پس شریعت کو کسی قابلِ تغیر دستاویز کے درجے پر رکھنا شریعت کی توہین ہے۔

دفعہ ۲۷۰ الف کے حوالے سے یہ عدالتی فیصلہ پڑھنے کے بعد میرا دل یہ کہتا ہے کہ یہ فیصلہ سنانے والے جج کا قلب شریعت کی محبت و تعظیم اور غیرتِ دینی کے جذبات سے معمور تھا...... کیونکہ ایسا ملغوبہ نما حل بالعموم وہی لوگ نکالتے ہیں، اس جمہوری نظام میں رہنا جن کی مجبوری ہوتی ہے اور اسلامی نظام کے تقاضے پورے ہوتے دیکھنا جن کی قلبی تمنا۔ اب چونکہ یہ دونوں نظام دو یکسر مختلف عقیدوں سے پھوٹتے ہیں لہٰذا ایسی کوششوں کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ کفر و اسلام کا ایک مضحکہ خیز سا مرکب وجود میں آجاتا ہے۔ ''جمہوریت'' کا تو بنیادی عقیدہ ہی یہ ہے کہ انسان اپنے تمام افعال میں آزاد ہے اور اپنے لئے سامانِ تعیش اور سرمایۂ دنیا جمع کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔ اس مادر پدر آزادی کے پیچھے ظالم جاگیرداروں، سرکش بادشاہوں اور منحرف کلیسا کی مکروہ مثلث اور مغربی عوام کے درمیان کشمکش پر مشتمل ایک طویل اور تلخ تاریخ ہے۔ یہ کشمکش بالآخر جمہوریت اور مظلوم عوام کی فتح پر منتج ہوئی اور یہ طے پایا کہ حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ اب سے عوامی اکثریت کا حق ہے۔

یہ تو ہے مغرب کی تاریک تاریخ سے پھوٹنے والا باطل عقیدہ! اس کے برعکس اسلامی تصورِ ''خلافت'' تنہا اللہ رب العالمین کی بندگی و غلامی اور ہر غیر اللہ کی عبودیت سے مکمل آزادی کے عقیدے پر قائم ہے۔ یہاں محبت و وفاداری بھی اللہ ہی سے نبھائی جاتی ہے اور ذلت و عاجزی بھی اسی کے سامنے اختیار کی جاتی ہے۔ یہ نظام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد ہونے کا درس دیتا ہے اور تنہا اللہ کے سامنے جھکنا سکھاتا ہے۔ اسلام کے عطا کردہ اس عقیدے کی تاریخی بنیادوں کا کھوج لگائیں تو اس کے رشتے بھی وحی سے جا کر ملتے نظر آتے ہیں۔ اسلام تو اللہ کی جانب سے پوری انسانیت کے لئے توحید کا آخری پیغام ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ اسلام کا عطا کردہ نظام تو عدل و انصاف، مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے، باہمی مشورے اور حکمرانوں کے احتساب جیسی روشن اقدار کا حامل نظام ہے،

جو کہ اسے خلافتِ راشدہ کے مثالی دور سے ورثے میں ملی ہیں۔ پھر یہی اقدار اسلامی فتوحات میں بھی ایک اہم عامل کے طور پر سامنے آتی ہیں اور انہی فتوحات کی بدولت انسانیت مخلوق کی غلامی سے نجات پا کر مخلوق کے رب کی بندگی سے سرفراز ہوتی ہے۔ الغرض اسلامی نظامِ خلافت میں حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کا حق ہوتی ہے، کسی دستور اور قراردادِ مقاصد کا نہیں۔

(ج) قراردادِ مقاصد...... جس پر سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلے میں مکمل انحصار کیا ہے...... کا حجت ہونا خود ایک متنازعہ امر ہے۔ اسی لئے تو پاکستانی عدالتوں میں اس کی حیثیت سے متعلق متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ اس تنازعے و اختلاف کی تفصیل ان شاء اللہ تیسرے باب کی پہلی فصل میں پیش کی جائے گی۔

(د) جہاں ایک طرف زیرِ بحث عدالتی فیصلے میں دفعہ ۲۷۰ الف میں مذکورہ احکامات وقوانین وغیرہ کو تحفظ دینے کی نفی کی گئی ہے جبکہ وہ قراردادِ مقاصد سے متصادم ہوں، وہیں انہی پاکستانی عدالتوں سے متعدد ایسے فیصلے بھی صادر ہوئے ہیں جن سے اس دفعہ میں مذکور قانونی تحفظ کی تائید ہوتی ہے۔ انہی فیصلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سپریم کورٹ نے دفعہ ۲۷۰ الف کی بناء پر عدالتوں کو سود کے بطلان کا فیصلہ دینے سے روک دیا اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ اگرچہ سود پاکستانی قانون کی بعض دفعات[16] کی رو سے باطل ہے، لیکن مذکورہ دستوری دفعہ کے تحت اسے قانونی تحفظ حاصل ہے اور عدالتوں کو اس معاملے پر فیصلہ دینے کا کوئی اختیار نہیں۔[17]

(ہ) اسی طرح بعض عدالتی فیصلوں میں مذکورہ بالا دونوں آراء سے بچتے ہوئے ایک درمیانی راہ بھی نکالی گئی ہے۔ مثلاً لاہور ہائی کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں ...... جس کی تائید سپریم کورٹ نے بھی کی ہے...... یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ دفعہ ۲۷۰ الف کے تحت جن اقدامات واحکامات کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے، وہ تحفظ اس صورت میں باقی نہیں رہتا جب وہ اقدامات اپنے دائرۂ اختیار سے باہر نکل کر، یا اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہوئے، یا بدنیتی سے کیئے گئے ہوں۔[18]

میرے خیال میں یہ رائے اس تضاد کو واضح کرتی ہے جو دستور کو اپنے لئے واجب الاتباع مصدرِ اختیارات وقانون قرار دینے والا جج محسوس کرتا ہے۔ وہ بیچارہ ایک طرف تو اپنے آپ کو دستور کا پابند سمجھتا ہے جب کہ دوسری جانب اسے ایسی دستوری دفعات سے واسطہ ہے جو عقل وضمیر دونوں ہی کے خلاف ہیں، چنانچہ چاروناچار وہ کوئی درمیانی رستہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اگر یہ جج شریعت کو ہی مقتدرِ اعلیٰ سمجھتا اور اس بات پر ایمان رکھتا کہ شریعت کے مقابلے میں کسی دستور کی کوئی حیثیت نہیں، تو اسے اپنی عقل وضمیر کی خلش کا شافی جواب مل جاتا۔ رب تعالیٰ کی شریعت میں تو کسی شخص کو بھی شرعی احکام سے بالاتر اور عدالتی محاسبے سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ یہ تو اللہ جل جلالہ کی صفت ہے کہ اُسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اپنے لئے یہ صفت پسند کرنے والا شخص تو گویا خدائی اختیارات کا مالک بننے کا خواہاں ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ. لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾

(الأنبياء: ۲۱. ۲۳)

''تو کیا انہوں نے زمین سے ایسے معبود بنالئے ہیں جو انھیں (مرنے کے بعد) زندہ کر اٹھائیں گے؟ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو زمین اور آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ اللہ تعالی جو عرش کا مالک ہے، ان امور سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے، کوئی اس سے باز پرس نہیں کرسکتا جبکہ دوسروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے''۔

دفعہ ۲۷۰ الف الف

یہ دفعہ اُن تمام قوانین، حکم ناموں اور ضابطوں کو قانونی چارہ جوئی سے تحفظ فراہم کرتی ہے جو ۱۹۹۹ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر کئے گئے۔ انہی احکامات میں ۱۹۹۹ء کا عبوری آئینی حکم [۱۹] اور ۲۰۰۲ء میں منظور ہونے والی ترمیم ''ایل۔ ایف۔ او'' اور اس کے بعد والی ترامیم بھی......اپنے نتائج واثرات سمیت......شامل ہیں۔ [۲۰]

دفعہ ٦٦

اس دفعہ کے تحت پارلیمان کے ہر رکن اور ہر اس شخص کو جو پارلیمان میں بات کرنے کا اختیار رکھتا ہے، یہ تحفظ فراہم کیا گیا ہے کہ وہ پارلیمان میں جو بات بھی کرے اُس کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اسی دفعہ کی شق ۳ میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو رکنِ پارلیمان بھی کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے، کمیٹی کے سربراہ کے مطالبے کے باوجود، اپنی دستاویزات یا دیگر ثبوت پیش کرنے سے انکار کرے، اسے سزا دینے کے لئے قانون سازی کی

جائے۔[۲۱]

یعنی پارلیمان کے ہر رکن اور پارلیمان میں گفتگو کا حق رکھنے والے ہر شخص کو اجازت ہے کہ پارلیمان میں جو چاہے کہے، جس پر چاہے زیادتی کرے، جس چیز کا چاہے مطالبہ کرے، جس چیز کی چاہے ترغیب دلائے، یہ دفعہ اسے مکمل تحفظ دیتی ہے۔ اسے دوسروں کی عزت اچھالنے، بہتان تراشی کرنے، گناہوں پر ابھارنے، کفر بکنے، اسلام کا مذاق اڑانے اور ملکی راز افشا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے...... اور اس سب پر شرعی محاسبہ تو دور کی بات، عدالتی محاسبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ دستور لکھنے والے کو اس بات پر بھی حیا نہ آئی کہ اسی دفعہ کے تحت پارلیمان سے اپنے راز یا دستاویزات پوشیدہ رکھنے والوں کی سرزنش کا مطالبہ تو کیا جائے...... لیکن لوگوں کی عزت و ناموس پہ زبان درازی کرنے اور اسلام پر کیچڑ اچھالنے والوں پر کوئی گرفت نہ ہو۔ اظہارِ رائے کی ایسی مطلق و گستاخانہ آزادی دینے کے بعد بھی ان کے ضمیر اور جذبات میں کوئی ہل چل پیدا نہ ہوئی! یہی دراصل وہ انگریزی ثقافت ہے جس میں اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی احکام اور مسلمانوں کی عزت و ناموس کا کوئی پاس و لحاظ نہیں، البتہ ان کے سوا ہر شے محترم و مقدس ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے یہاں کوئی اعتراض کرے کہ دفعہ ۶۳، شق (g) اس رکنِ پارلیمان کی رکنیت کو منسوخ قرار دیتی ہے جو پاکستان کے نظریے، پاکستان کی سلامتی یا اخلاقیات وغیرہ کے برخلاف کوئی کام کرے۔[۲۲] اور یہ کہ ریاستِ پاکستان تو اسلام اور اسلامی احکامات کے التزام کے نظریے ہی پر قائم ہے۔

اس ممکنہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کرنا چاہوں گا کہ:

اولاً: ہم یہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ریاستِ پاکستان اسلام کے التزام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے پر قائم ہے۔ یہ کتاب اسی جھوٹے دعوے کی قلعی کھولنے کے لئے ہی لکھی گئی ہے۔

ثانیاً: اگر ایک لمحے کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ ریاستِ پاکستان اسلام اور اسلامی احکامات کے التزام کے نظریے پر کھڑی ہے، تو پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دستورِ پاکستان کی رو سے پارلیمان میں خلافِ شرع گفتگو کرنے والے شخص کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنا ممکن ہے؟ اس حوالے سے ہمیں زیادہ سے زیادہ دفعہ ۶۳ کی دوسری اور تیسری شق ملتی ہے، جن میں درج ہے کہ جب کبھی کسی رکنِ

پارلیمان کی اہلیت پر سوال اٹھے تو اسمبلی کے سپیکر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملے کو چیف الیکشن کمیشنر کے سپرد کرے اور وہ اس معاملے کو الیکشن کمیشن کے سامنے پیش کرے گا تا کہ اس کی چھان بین کرنے کے بعد اس حوالے سے کوئی قطعی فیصلہ کیا جائے۔[۲۳]

الیکشن کمیشن ...... جو خود بھی ایسے حضرات پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تقرری کے لئے نہ تو مسلمان ہونا شرط ہے، نہ ہی پابندِ شرع یا امین ہونا[۲۴]...... وہ زیادہ سے زیادہ اسی بات کا اختیار رکھتا ہے کہ اس رکنِ پارلیمان کی رکنیت منسوخ کر دے۔ پھر اس کے بعد اسے دفعہ ۶۶ کے تحت ہر قسم کے محاسبہ اور قانونی چارہ جوئی سے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

کیا اس سب کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی بچتی ہے کہ ریاستِ پاکستان اسلام کے التزام اور احکامِ شرع کے احترام پر قائم ہے۔

ممکن ہے کہ یہاں یہ حجت بھی پیش کی جائے کہ ارکانِ پارلیمان کو قانونی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کا مقصد دراصل یہ ہے کہ اعلیٰ مناصب کے حامل افراد ہر قسم کی انتقامی کارروائی اور دھونس و دھمکی سے بے خوف ہو کر اپنی ذمہ داریاں ادا کریں؛ اور ارکانِ پارلیمان بھی اپنے آپ کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے دباؤ سے آزاد اور محلاتی سازشوں سے محفوظ سمجھتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز پر اطمینان سے لبیک کہہ سکیں۔

اس حجت پر تو یہ ضرب المثل صادق آتی ہے کہ ''عذرِ گناہ بدتر از گناہ''! دھونس، دھمکی، انتقامی کارروائیوں اور محلاتی سازشوں سے تحفظ دینے کا طریقہ تو یہ تھا کہ آزاد، امانت دار اور غیر جانب دار عدلیہ تشکیل دی جاتی، اسے تمام اداروں کے دباؤ سے تحفظ فراہم کیا جاتا اور ارکانِ پارلیمان سمیت سبھی کو ان عدالتوں کے سامنے جوابدہ بنایا جاتا...... کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بعد بھی ان سے ناانصافی ہوتی۔ یہ تو کوئی علاج نہ ہوا کہ حکومتی عہدیداران کو جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دے کر شریعتِ اسلامی کی واضح مخالفت کی جائے اور لوگوں کو عملاً دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے: ایک وہ جو محاسبہ اور سزا کا نشانہ بنیں، اور دوسرے وہ جو ان دونوں سے ہی مبرا قرار پائیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے دفاع میں جو دلیل پیش کرتا ہے...... یعنی یہ کہ اگر انہیں بھی حکمِ شریعت کے سامنے دوسروں کے برابر کھڑا کر دیا گیا تو انہیں ظلم و ناانصافی کا اندیشہ ہے...... یہ تو وہی دلیل ہے جو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں منافقین کے حوالے سے بیان فرمائی

ہے:

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ. وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ. اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (النور:۴۷۔۵۱)

’’اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا، پھر اسکے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے، اور یہ لوگ اہلِ ایمان نہیں ہیں، اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے، اور اگر معاملہ ان کے حق کا ہو تو مطیع وفرمانبردار بن کر ان کی طرف چلے آتے ہیں، کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے، یا یہ شک میں پڑے ہیں، یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے حق میں ظلم کریں گے۔ (نہیں!) بلکہ یہ خود ظالم ہیں، مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم) سنا اور مان لیا، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں‘‘۔

حواشی

۱؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"President to act on advice, etc.
48. (1) In the exercise of his functions, the President shall act in accordance with the advice of the Cabinet or the Prime Minister:
Provided that the President may require the Cabinet or, as the case may be, the Prime Minister to reconsider such advice, either generally or otherwise, and the President shall act in accordance with the advice tendered after such reconsideration.
(2) Notwithstanding anything contained in clause (1), the President shall act in his discretion in respect of any matter in respect of which he is empowered by the Constitution to do so and the validity of anything done by the President in his discretion shall not be called in question on any ground whatsoever.
......
(4) The question whether any, and if so what, advice was tendered to the President by the Cabinet, the Prime Minister, a Minister or Minister of State shall not be inquired into in, or by, any court, tribunal or other authority". [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1.-THE PRESIDENT, Article 48].

۲؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

248. Protection to President, Governor, Minister, etc.
248. (1) The President, a Governor, the Prime Minister, a Federal Minister, a Minister of State, the Chief Minister and a Provincial Minister shall not be answerable to any court for the exercise of powers and performance of functions of their respective offices or for any act done or purported to be done in the exercise of those powers and performance of those functions:
Provided that nothing in this clause shall be construed as restricting the right of any person to bring appropriate proceedings against the Federation or a Province.
(2) No criminal proceedings whatsoever shall be instituted or continued against the President or a Governor in any court during his term of office.
(3) No process for the arrest or imprisonment of the President or a Governor shall issue from any court during his term of office.
(4) No civil proceedings in which relief is claimed against the President or a Governor shall be instituted during his term of office in respect of any thing done or not done by him in his personal capacity whether before or after he enters upon his office unless, at least sixty days before the proceedings are instituted, notice in writing has been delivered to him, or sent to him in the manner prescribed by law, stating the nature of the proceedings, the cause of action, the name, description and place of residence of the party by whom the proceedings are to be instituted and the relief which the party claims. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 4. - GENERAL, Article 248].

۳؎
THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 248p: 417.

۴؎ تحقيق زاد المنتهي شرح الجامع الترمذي . مقدمة الشيخ شير علي شاه ص ١٦

۵؎ دوسرا باب، پہلی فصل

۶؎ منهاج السنة النبوية لابن تيميه . فصل :والقاعدة الكلية في هذا أن لانعتقد أحداً معصوماً بعد النبي صلى الله

علیہ وسلم. ٦/٢٠٠، البداية والنهاية لابن كثير . ثم دخلت سنة خمس و مائة ، ترجمه يزيد بن عبد الملك ٢٥٩/٩، تاريخ الخلفاء للسيوطي . يزيد بن عبد الملك بن مروان ١٠٠/١

ے اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Functions of Armed Forces
245. (1) The Armed Forces shall, under the directions of the Federal Government defend Pakistan against external aggression or threat of war, and, subject to law, act in aid of civil power when called upon to do so.
(2) The validity of any direction issued by the Federal Government under clause (1) shall not be called in question in any court. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 2. -ARMED FORCES, Article 245].

۸
In the line of fire, a memoir-part 5: The war on terror, Chapter 20: One day that changed the world.

۹ یعنی وہ لوگ جو ظالم حکمران پر ہاتھ اور زبان سے انکار کرنے سے روکتے ہیں اور بلا شک وشبہہ پاکستانی دستور کو لکھنے والے اور اسکی حمایت کرنے والے بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔

۱۰ أحكام القرآن للجصاص . سورة آل عمران . باب فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ٣/٤٦٧ : ٤٦٨

۱۱ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Temporary validation of certain laws, etc.
270. (1) Majlis-e-Shoora (Parliament)] may by law made in the manner prescribed for legislation for a matter in Part I of the Federal Legislative List validate all Proclamations, President's Orders, Martial Law Regulations, Martial Law Orders and other laws made between the twenty-fifth day of March, one thousand nine hundred and sixty-nine, and the nineteenth day of December, one thousand nine hundred and seventy one (both days inclusive).
(2) Notwithstanding a judgment of any court, a law made by Majlis-e-Shoora (Parliament) under clause (1) shall not be questioned in any court on any ground, whatsoever.
(3) Notwithstanding the provisions of clause (1), and a judgment of any court to the contrary, for a period of two years from the commencing day, the validity of all such instruments as are referred to in clause (1) shall not be called in question before any court on any ground whatsoever.
(4) All orders, made, proceedings taken, and acts done by any authority, or any person, which were made, taken or done, or purported to have been made, taken or done, between the twenty-fifth day of March, one thousand nine hundred and sixty-nine and nineteenth day of December, one thousand nine hundred and seventy-one (both days inclusive), in exercise of powers derived from any President's Orders, Martial Law Regulations, Martial Law Orders, enactments, notifications, rules, orders or bye-laws, or in execution of any order made or sentence passed by any authority in the exercise or purported exercise of power as aforesaid shall, notwithstanding any judgment of any court, be deemed to be and always to have been validly made, taken or done, so however that any such order, proceeding or act may be declared invalid by 1[Majlis-e-Shoora (Parliament)] at any time within a period of two years from the commencing day by resolution of both Houses, or in case of disagreement between the

two Houses, by such resolution passed at a joint sitting and shall not be called in question before any court on any ground, whatsoever. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7. - TRANSITIONAL, Article 270].

۱۲؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

269. Validation of law, acts, etc.

269. (1) All Proclamations, President's Orders, Martial Law Regulations, Martial Law Orders and all other laws made between the twentieth day of December, one thousand nine hundred and seventy-one and the twentieth day of April, one thousand nine hundred and seventy-two (both days inclusive), are hereby declared notwithstanding any judgment of any court, to have been validly made by competent authority and shall not be called in question in any court on any ground whatsoever.

(2) All orders made, proceedings taken and acts done by any authority, or by any person, which were made, taken or done, or purported to have been made, taken or done, between the twentieth day of December, one thousand nine hundred and seventy-one, and the twentieth day of April, one thousand nine hundred and seventy-two (both days inclusive), in exercise of the powers derived from any President's Orders, Martial Law Regulations, Martial Law Orders, enactments, notifications, rules, orders or bye-laws, or in execution of any orders made or sentences passed by any authority in the exercise or purported exercise of powers as aforesaid, shall, notwithstanding any judgment of any court, be deemed to be and always to have been validly made, taken or done and shall not be called in question in any court on any ground whatsoever.

(3) No suit or other legal proceedings shall lie in any court against any authority or any person for or on account of or in respect of any order made, proceedings taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the powers referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with orders made or sentences passed in exercise or purported exercise of such powers. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7. - TRANSITIONAL, Article 269].

۱۳؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270A. Affirmation of President's Orders, etc.

270A.-(1) The Proclamation of the fifth day of July, 1977, all President's Orders, Ordinances, Martial Law Regulations, Martial Law Orders, including the Referendum Order, 1984 (P.O. No. 11 of 1984), under which, in consequence of the result of the referendum held on the nineteenth day of December, 1984, General Mohammad Zia-ul-Haq became the President of Pakistan on the day of the first meeting of the Majlis-e-Shoora (Parliament) in joint sitting for the term specified in clause (7) of Article 41, the Revival of the Constitution of 1973 Order, 1985 (P.O. No. 14 of 1985), the Constitution (Second Amendment) Order, 1985 (P.O. No. 20 of 1985), the Constitution (Third Amendment) Order, 1985 (P.O. No. 24 of 1985), and all other laws made between the fifth day of July, 1977, and the date on which this Article comes into force are hereby affirmed, adopted and declared, notwithstanding any judgement of any court, to have been validly made by competent authority and, notwithstanding anything contained in the Constitution, shall not be called in question in any court on any ground whatsoever :

....

(2) All orders made, proceedings taken and acts done by any authority or by any person, which were made, taken or done, or purported to have been made, taken or done, between the fifth day of July, 1977, and the date on which this Article comes into force,

in exercise of the powers derived from any Proclamation, President's Orders, Ordinances, Martial Law Regulations, Martial Law Orders, enactments, notifications, rules, orders or bye-laws, or in execution of or in compliance with any order made or sentence passed by any authority in the exercise or purported exercise of powers as aforesaid, shall, notwithstanding any judgement of any court, be deemed to be and always to have been validly made, taken or done and shall not be called in question in any court on any ground whatsoever.

....

(4) No suit, prosecution or other legal proceedings shall lie in any court against any authority or any person, for or on account of or in respect of any order made, proceedings taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the powers referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with orders made or sentences passed in exercise or purported exercise of such powers. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7. - TRANSITIONAL, Article 270A].

۱۴؎ 1990 CLC 1683

۱۵؎

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 227p: 384

۱۶؎ Section 8(2)(a) of the ordinance 1979.

۱۷؎ PLD 1987 Kar. 612.، اسی طرح درج ذیل فیصلے بھی:

PLD 1986 kar. 301, 1987 MLD 312, PLD 1987 Kar. 291 and 1987 MLD 279. [THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary , comments on article 270A p: 444 & 445.

۱۸؎ PLD 1988 Lah. 49 & PLD 1988 S.C.26.

۱۹؎ Provisional Constitution Order No. 1 of 1999.

۲۰؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270AA. Validation and affirmation of laws etc.

270AA. (1) The Proclamation of Emergency of the fourteenth day of October, 1999, all President's Orders, Ordinances, Chief Executive's Orders, including the Provisional Constitution Order No. 1 of 1999, the Oath of Office (Judges) Order, 2000 (No. 1 of 2000), Chief Executive's Order No. 12 of 2002, the amendments made in the Constitution through the Legal Framework Order, 2002 (Chief Executive's Order No. 24 of 2002), the Legal Framework (Amendment) Order, 2002 (Chief Executive's Order No. 29 of 2002), the Legal Framework (Second Amendment) Order, 2002 (Chief Executive's Order No. 32 of 2002) and all other laws made between the twelfth day of October, one thousand nine hundred and ninety-nine and the date on which this Article comes into force (both days inclusive), having been duly made are accordingly affirmed, adopted and declared to have been validly made by the competent authority and notwithstanding anything contained in the Constitution shall not be called in question in any court or forum on any ground whatsoever.

(2) All orders made, proceedings taken, appointments made, including secondments and deputations, and acts done by any authority, or by any person, which were made, taken or done, or purported to have been made, taken or done, between the twelfth day of October, one thousand nine hundred and ninety-nine, and the date on which this Article comes into force (both days inclusive), in exercise of the powers derived from

any Proclamation, President's Orders, Ordinances, Chief Executive's Orders, enactments, including amendments in the Constitution, notifications, rules, orders, bye-laws, or in execution of or in compliance with any orders made or sentences passed by any authority in the exercise or purported exercise of powers as aforesaid, shall, notwithstanding any judgement of any court, be deemed to be and always to have been validly made, taken or done and shall not be called in question in any court or forum on any ground whatsoever.

…………………………

(4) No suit, prosecution or other legal proceedings including writ petitions, shall lie in any court or forum against any authority or any person, for or on account of or in respect of any order made, Proceedings taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the powers referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with orders made or sentences passed in exercise or purported exercise of such powers. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7. - TRANSITIONAL, Article 270AA].

۲۱؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Privileges of members, etc.

66. (1) Subject to the Constitution and to the rules of procedure of Majlis-e- Shoora (Parliament), there shall be freedom of speech in Majlis-e-Shoora (Parliament) and no member shall be liable to any proceedings in any court in respect of anything said or any vote given by him in Majlis-e-Shoora (Parliament), and no person shall be so liable in respect of the publication by or under the authority of Majlis-e-Shoora (Parliament) of any report, paper, votes or proceedings.

(2) In other respects, the powers, immunities and privileges of Majlis-e-Shoora (Parliament), and the immunities and privileges of the members of Majlis-e-Shoora (Parliament), shall be such as may from time to time be defined by law and, until so defined, shall be such as were, immediately before the commencing day, enjoyed by the National Assembly of Pakistan and the committees thereof and its members.

(3) Provision may be made by law for the punishment, by a House, of persons who refuse to give evidence or produce documents before a committee of the House when duly required by the chairman of the committee so to do :

Provided that any such law-

(a) may empower a court to punish a person who refuses to give evidence or produce documents; and

(b) shall have effect subject to such Order for safeguarding confidential matters from disclosure as may be made by the President.

(4) The provisions of this Article shall apply to persons who have the right to speak in, and otherwise to take part in the proceedings of, Majlis-e-Shoora (Parliament) as they apply to members.

(5) In this Article. Majlis-e-Shoora (Parliament)] means either House or a joint sitting, or a committee thereof. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 2. - THE [MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)], Article 66].

۲۲؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Disqualifications for membership of Majlis-e-Shoora (Parliament)

63. (1) A person shall be disqualified from being elected or chosen as, and from being, a member of the Majlis-e-Shoora (Parliament), if-

…………….

(g) he is propagating any opinion, or acting in any manner, prejudicial to the Ideology

of Pakistan, or the sovereignty, integrity or security of Pakistan, or morality, or the maintenance of public order, or the integrity or independence of the judiciary of Pakistan, or which defames or brings into ridicule the judiciary or the Armed Forces of Pakistan. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 2. - THE [MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)], Article 63].

۲۳؎ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Disqualifications for membership of Majlis-e-Shoora (Parliament)
63.
…………………
(2) If any question arises whether a member of Majlis-e-Shoora (Parliament) has become disqualified from being a member, the Speaker or, as the case may be, the Chairman shall, within thirty days from raising of such question refer the question to the Chief Election Commissioner.
(3) Where a question is referred to the Chief Election Commissioner under clause (2), he shall lay such question before the Election Commission which shall give its decision thereon not later than three months from its receipt by the Chief ElectionCommissioner. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 2. - THE [MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)], Article 63].

۲۴؎ چیف الیکشن کمشنر کی بنیادی شرائط کے لیے دیکھئے آئین کی دفعہ نمبر ۲۱۳ کی شق نمبر ۲ جبکہ ارکان الیکشن کمیشن کی شرائط کے لیے دیکھئے دفعہ نمبر ۲۱۸ کی شق نمبر ۲ کا جزء ب۔

تیسرا تضاد

سربراہِ ریاست (یعنی صدر) کو
ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے

دستور کی دفعہ ۴۵ صدرِ پاکستان کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی بھی عدالت، ٹربیونل یا دیگر ہیئتِ مجاز کی دی ہوئی سزا، بشمول سزائے موت، کو معاف، کم، ملتوی، معطل یا تبدیل کر دے۔[۱]

یعنی یہ دستور ایک ایسا دین پیش کرتا ہے جس میں حاکمِ اعلیٰ سربراہِ ریاست ہے، نہ کہ مالکِ کائنات!

اس دستوری دفعہ پر پاکستان کے قانونی حلقوں میں بڑی لے دے ہوئی ہے، خصوصاً جب دسمبر ۱۹۸۸ء میں صدرِ پاکستان نے مذکورہ دفعہ سے حاصل شدہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے تمام فیصلوں کو عمر قید میں تبدیل کر ڈالا۔[۲]

صدر کا یہ دستوری حق شریعت سے صراحتاً متصادم ہے۔ شریعت تو یہ حق صرف مقتول کے ورثاء کو دیتی ہے کہ وہ قصاص لیں یا قصاص کی جگہ دیت قبول کر لیں یا مطلق طور پر معاف کریں۔ ۱۹۸۸ء میں اٹھنے والی یہ قانونی بحث آہستہ آہستہ زور پکڑتی گئی یہاں تک کہ ساری توجہ ان دستوری دفعات پر مرکوز ہو گئی جو قوانینِ پاکستان کو شریعت کے موافق ڈھالنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اب اساسی سوال یہ بن گیا کہ کیا یہ دفعات صرف ہدایات اور مشوروں کا درجہ رکھتی ہیں جن پر عمل ضروری نہیں یا یہ ایسے احکامات و اوامر ہیں جن پر عمل بھی لازم ہے؟ کیا یہ دفعات دستور سے بالاتر کوئی حیثیت رکھتی ہیں؟ یا یہ سرے سے دستور کا جزو ہی نہیں؟

یہ بحث ۱۹۹۲ء تک جاری رہی، یہاں تک کہ بالآخر سپریم کورٹ نے اپنا تاریخی فیصلہ سنا کر یہ بحث ہی ختم کر دی۔ سپریم کورٹ نے کہا کہ عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی قانون کو اس بنا پر غلط قرار دے کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدود سے متجاوز ہے۔ نیز یہ کہ دستور کی دفعہ ۲ الف عدالتوں کو مخاطب نہیں کرتی، وہ تو عوامی نمائندوں کو قانون سازی کے حوالے سے کچھ ہدایات دیتی ہے۔ اس بحث کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم تیسرے باب میں دستور کے دیباچے اور دفعہ ۲ الف پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا تفصیلی جائزہ لیں

گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں تو صرف یہ نکتہ سمجھانا مقصود ہے کہ باوجود اس کے کہ دفعہ ۴۵ کے حوالے سے مختلف باہم متعارض عدالتی فیصلے موجود ہیں......کوئی فیصلہ صدر کو عطا کردہ اس دستوری حق کی حمایت کرتا ہے تو کوئی مخالفت، کوئی فیصلہ تمام قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی متقاضی دفعات کو واجب العمل قرار دیتا ہے اور کوئی اس کے برعکس......لیکن اس باہمی اختلاف کے باوجود بھی یہ تمام فیصلے ایک امر پر متفق ہیں، یعنی یہ کہ دستور کی دفعہ ۴۵ جو صدرِ پاکستان کو ہر قسم کی سزا معاف کرنے کا اختیار دیتی ہے، اسلامی شریعت سے متعارض و متصادم ہے۔

چوتھا تضاد

قاضی کے لیے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، اور مسلمان ہونے کی شرط بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے عائد کی گئی ہے

(الف) اسلام میں قاضی کے لیے مسلمان ہونا اور عادل ہونا شرط ہے

اس بات پر تمام فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ قاضی بننے کے لئے مسلمان ہونا اور پھر عادل ہونا شرط ہے۔ امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فصل: و أما بيان من يصلح للقضاء فنقول: الصلاحية للقضاء لها شرائط منها العقل، و منها البلوغ، و منها الإسلام، و منها الحرية، و منها البصر، و منها النطق، و منها سلامة عن حد القذف، لما قلنا في الشهادة، فلا يجوز تقليد المجنون و الصبي، والكافر والعبد و الأعمى و الأخرس و المحدود في القذف؛ لأن القضاء من باب الولاية، بل هو أعظم الولايات، و هؤلاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات - و هي الشهادة - فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى".

"رہا یہ معاملہ کہ کون شخص قاضی بننے کا اہل ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس منصب کا اہل ہونے کے لیے انسان میں کچھ شرائط کا پایا جانا لازم ہے۔ مثلاً اس کا عاقل، بالغ، مسلمان، آزاد، بینا، متکلم اور حدِ قذف سے پاک ہونا (یعنی عادل ہونا)۔ یہ شرائط عائد کرنے کے اسباب ہم گواہی کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔ ان شرائط کی رو سے کسی پاگل، نابالغ بچے، کافر، غلام، اندھے، بہرے یا حدِ قذف میں سزا یافتہ شخص کو قاضی بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ قضاء بھی ایک طرح کی ذمہ داری ہے، بلکہ عظیم ترین ذمہ داری ہے، جبکہ مذکورہ لوگ تو گواہی جیسی چھوٹی سی ذمہ داری بھی ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ پس اس سے بڑی ذمہ داری کے تو وہ کسی طرح مستحق ہو ہی نہیں سکتے"۔[۳]

(ب) دستورِ پاکستان میں مسلمان ہونے کی شرط محض شرعی عدالتوں کے قاضیوں کے لیے ہے

پاکستانی دستور صرف وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت مرافعہ بنچ کے قاضیوں کے لیے مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے۔ باقی تمام عدالتوں کے قاضیوں کے لئے دستور ایسی کوئی شرط نہیں عائد کرتا ہے۔ جب کہ عادل (یعنی پابندِ شریعت) ہونے کی شرط تو وفاقی شرعی عدالت سمیت کسی بھی عدالت کے لئے نہیں عائد کی گئی۔ گویا پاکستان میں کسی چھوٹی سی عدالت سے لے کر عدالتِ عظمیٰ تک کا قاضی بننے کے لئے، حتی کہ 'چیف جسٹس' بننے کے لئے بھی نہ تو مسلمان ہونا شرط ہے، نہ ہی حدِ قذف سے پاک ہونا۔[۴]

یہ دونوں شرائط نہ ہونے کے سبب کفار اور فساق کو قاضی مقرر کرنا آئینِ پاکستان کی رو سے جائز ہے[۵] جب کہ شریعت کی رو سے ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے۔ چنانچہ اس دستور نے نہ صرف ایک ناجائز بات کو جائز ٹھہرایا، بلکہ اسے ایک باقاعدہ قانون کا درجہ دے کر اللہ کے حرام کردہ امر کو مباح یعنی حلال ٹھہرایا۔ گویا یہ دستور اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے اور حکمِ الٰہی سے متصادم قانون سازی کرنے جیسے عظیم جرائم پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل کے دوسرے باب میں اس حوالے سے تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

مستشار علی جریشہ فرماتے ہیں:

"إن من عدل عن شرع اللّٰه إلى شرع غيره فقد عدل بشرع اللّٰه شرعاً آخر، ومن ثم عدل باللّٰه آلهة و أرباباً آخرين، لإن الشرع ابتداءً خالص حق اللّٰه باعتباره من خصائص الربوبية والألوهية، كذلك من لم يعدل عن شرع اللّٰه كله ولكنه عدّل فيه.. لأنه لا يملك ذلك إلا سلطة في نفس المستوى أو سلطة أعلى، فمن فعل ذلك فقد جعل من نفسه نداً للّٰه، تعالى اللّٰه عن ذلك علواً كبيراً.

والتحريم والتحليل اللذان أشارت إليهما الآية الكريمة يتخذ صورة العدول أو التعديل، فمن عدل عن تحريم الخمر إلى إباحتها فقد أحل ما حرم اللّٰه ووقع في الكفر والشرك، وكما يكون العدول صريحاً بأن يقال عن الحرام حلال، فإنه يكون كذلك ضمنياً بتغيير و صرف الحكم من الحرام إلى

الحلال ، ففي مثل الخمر جاء تحريمها بالنص والإجماع ، فإذا جاءت نصوص وضعية خالية من العقاب فقد غيرت وصف الحكم و جعلته مباحاً، والمباح أحد أقسام الحلال، ومن ثم فإنها تكون قد أحلت ما حرم اللّٰه ...

وإذا جاءت نصوص وضعية خالية من النص على العقاب عليه ولو في بعض الأحوال فإنها تكون قد أباحته في هذه الحالات أي تكون قد أحلت ما حرم اللّٰه، و هذه صورة من صور العدول ... أما صور التعديل فإن الحكم يبقى على وصفه الأصلي، فلا ينقلب من الحرام إلى الحلال، ولكن مثلاً يجري التعديل في العقوبة ، التي وضعها اللّٰه سبحانه للفعل، كأن يحتفظ بالنص بتحريم الفعل و يحرمه ولكن يعدل العقوبة المقررة له شرعاً، و يجعل الحبس بدلاً من الجلد أو الرجم، ويمكن أن يقال إن مثل تلك النصوص الوضعية التي تتضمن تعديلاً في الحكم الشرعي تتضمن كذلك عدولاً، إن وضع عقوبة مكان أخرى عدول عن العقوبة الأصلية التي شرعها الشارع الحكيم علاجاً للداء، وهو أعلم بمن خلق وهو اللطيف الخبير، وعلى ذلك فالعدول والتعديل هو من قبيل التحليل والتحريم، الذي دمغه القرآن بالكفر والشرك... و تلك أقصى صور عدم الشرعية".

''جس کسی نے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا قانون اختیار کیا تو گویا اس نے اس خودساختہ قانون کو شریعتِ الٰہیہ کے برابر ٹھہرایا اور دیگر خود ساختہ خداؤں کو اللہ کے مساوی گردانا۔ انسانوں کے لیے قانون بنانا تو ربوبیت اور الوہیت کا خاصہ ہے اور اسی لئے یہ محض اللہ جل جلالہ کا حق ہے کہ وہ قانون سازی کرے۔ اسی طرح اس شخص کا جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں جو شریعتِ الٰہی کو بالکلیہ تو ترک نہیں کرتا لیکن اس شریعت میں من مانی ترمیمات کرتا ہے۔ اللہ کی شریعت میں ترمیم کا حق تو اسی کو ہوسکتا ہے جو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر اختیارات رکھتا ہو۔ پس جو کوئی بھی ایسا کرے (یعنی شریعت کی جگہ کوئی دوسرا قانون اختیار کرے یا شریعت میں من مانی ترمیمات کرے) تو گویا اس نے خود کو اللہ کا ہمسر بنانے کی

کوشش کی، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔

قرآنی آیات جب اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور اس کے حلال کردہ کو حرام ٹھہرانے والوں کی مذمت کرتی ہیں، تو وہاں ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

......وہ جو حکمِ شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالیں (عدول)

......اور وہ بھی جو حکمِ شریعت میں ترمیم کریں (تعدیل)

مثلاً جس شخص نے شراب کو حرام کی بجائے مباح قرار دیا تو گویا اس نے اللہ کے حکم کو حرام سے بدل کر حلال میں تبدیل کر دیا اور یوں وہ صریح کفر و شرک کا مرتکب ہوا۔ پھر جس طرح یہ ممکن ہے کہ حرام کو سیدھا سیدھا حلال قرار دے کر پورا حکم ہی بدل دیا جائے، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس حکم میں بعض ضمنی تبدیلیوں سے حرمت کو حلت میں تبدیل کر دیا جائے۔ مثلاً شراب کی حرمت نص اور اجماع دونوں سے ثابت ہے۔ پس اب اگر خود سے کوئی قانون بنایا جائے جس میں شراب نوشی (کو صراحتاً حلال تو نہ کہا جائے، لیکن اس) پر کوئی سزا مقرر نہ ہو تو یہ شراب کو مباح قرار دینے ہی کے مترادف ہے، اور مباح بھی حلال کی ایک قسم ہے۔ الغرض اس تبدیلی کا نتیجہ بھی وہی نکلے گا کہ اللہ کا حرام کردہ امر حلال ٹھہرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی خودساختہ قانون بعض مخصوص شخصیات کو بعض مخصوص حالات میں شراب نوشی کی شرعی سزا سے مستثنیٰ رکھتا ہے، تو گویا وہ شراب نوشی کو ان مخصوص حالات میں مباح قرار دیتا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں وہ ان مخصوص حالات میں اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہراتا ہے۔ پس یہ سب صورتیں حکمِ شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالنے (یعنی عدول) میں داخل ہیں......

جبکہ دوسری صورت (یعنی تعدیل) یہ ہے کہ اصل حکم تو اپنی جگہ باقی رکھا جائے، حرام کو حلال نہ کہا جائے، لیکن اللہ نے اس جرم پر جو سزا مقرر کی ہے اس میں ترمیم کر دی جائے۔ مثلاً کسی فعل کو حرام تو کہا جائے اور اس فعل کے مرتکب کو سزا بھی دی جائے، لیکن جو سزا شریعت نے مقرر کی ہے......مثلاً کوڑے یا سنگساری......اس میں ترمیم کر کے اسے سزائے قید میں بدل دیا جائے۔ یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ ایسے خودساختہ قوانین جو حکمِ شرعی میں ترمیم (یعنی تعدیل) کرتے ہوں، دراصل حکمِ شرعی کو کسی دوسرے قانون سے بالکلیہ بدل ڈالنے (یعنی عدول) ہی کے مترادف

ہیں۔ جب ربِ حکیم نے، جو اپنی مخلوق سے خوب آگاہ اور باریک بین و باخبر ہے، ایک بیماری کے علاج کے طور پر ایک شرعی سزا مقرر کر رکھی ہے تو اسے کسی دوسری سزا سے بدل دینا ایک طرح کا 'عدول' ہی ہے۔ لہٰذا یہ 'عدول' و 'تعدیل' (یعنی حکمِ شرعی کو بالکلیہ بدل دینا یا اس میں جزوی ترمیم کرنا) دونوں ہی اللہ کی رہنمائی سے آزاد ہو کر چیزوں کو حلال و حرام قرار دینے میں داخل ہیں؛ اور یہ وہ عظیم جرم ہے جسے قرآن نے کفر و شرک قرار دے کر ملیا میٹ کرنے کا حکم دیا ہے...... اور بلاشبہ یہ مخالفتِ شرع کی انتہائی صورتیں ہیں''۔[٦]

پانچواں تضاد

سربراہِ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

دستور کی دفعہ ۴۱ وہ شروط ذکر کرتی ہے جن کا سربراہِ ریاست میں پایا جانا لازم ہے۔ ان شروط میں سربراہِ ریاست کے لئے مرد ہونے کی شرط کا کوئی ذکر نہیں [۷]، حالانکہ اس شرط پر تو تمام علماء کا اجماع ہے۔

یہ افسوس ناک واقعہ تو سبھی کو یاد ہوگا کہ پاکستان کی ایک بہت بڑی دینی جماعت کے قائد نے بے نظیر بھٹو کے وزیرِ اعظم منتخب ہونے پر کہا تھا کہ: ''شریعت نہ تو نماز میں عورت کی امامت کو جائز قرار دیتی ہے، نہ ہی ملکی معاملات میں عورت کی امامت کو درست جانتی ہے، لیکن جب عوام نے ایک عورت کو وزارتِ عظمیٰ کے لئے منتخب کر ہی لیا ہے تو ہمیں اس عوامی رائے کا احترام کرنا چاہیے''۔

یہ مؤقف پاکستان کی متعدد دینی تنظیموں کے عمومی کردار کی عکاسی کرتا ہے۔ ان تنظیموں کے مؤقف کسی مضبوط شرعی بنیاد پر قائم ہونے کی بجائے موم کے پتلے کی طرح پاکستانی سیاست، دستور و قانون اور عوامی مسائل کے مطابق ڈھلتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ اسی رویے کا نتیجہ ہے کہ یہ تنظیمیں خود اپنے ہی بنیادی اصول اور عقائد کی پابندی نہیں کر پاتیں۔ چنانچہ پاکستان کی غالب اکثریت بھی انہیں احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ یہ جماعتیں نہ تو امت کی قیادت سنبھالنے کی اہل ہیں، نہ ہی یہ پاکستان پر مسلط کردہ صلیبی جنگ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

نیز یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ فیصلہ کرنا انتخابی کمیشن کا کام ہے کہ کون انتخابات میں شرکت کا اہل ہے اور کون نہیں۔ پس جب انتخابی کمیشن ایک مرتبہ یہ اعلان کر دے کہ فلاں شخص درست طریقے سے سربراہ منتخب ہو چکا ہے تو پھر کسی بھی عدالت یا ہیئتِ مجاز کے ذریعے اس کی اہلیت کو مشکوک بنانا ممکن نہیں رہتا [۸]۔ اور انتخابی کمیشن کے ارکان کے لیے دستور نہ تو مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے، نہ ہی عادل (یعنی پابندِ شرع) ہونے کی شرط۔ پس جو لوگ خود دین و شریعت سے آزاد ہوں، وہ کیسے دوسروں کے مسلمان یا عادل ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں؟

چھٹا تضاد

ہر اس شخص کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر جرم قرار دیئے جانے سے قبل کیا ہو

دستور کی دفعہ ۱۲ کہتی ہے کہ 'مؤثر بہ ماضی' سزا دینا جائز نہیں۔ یعنی اگر ایک شخص نے کسی فعل کا ارتکاب اس وقت کیا جبکہ نہ تو قانون میں اسے جرم قرار دیا گیا تھا، نہ ہی اس پر کوئی سزا مقرر تھی......تو اسے بعد میں سزا نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح اگر اس وقت کوئی سزا مقرر تھی تو اس مقرر سزا کے علاوہ کوئی دوسری سزا یا اس سے بڑی سزا بھی نہیں دی جاسکتی۔[9]

(الف) گویا اگر کوئی شخص شرعاً کسی جرم کا مرتکب ہو اور اسے عدالت میں پیش کر کے شرعی طریقۂ کار کے مطابق اس کا مجرم ہونا ثابت بھی کر دیا جائے ......تب بھی اسے سزا نہیں دی جاسکتی یہاں تک کہ یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ جرم کے ارتکاب کے وقت یہ فعل پاکستانی قانون میں بھی جرم تھا۔ بلا شبہ شریعت کی نگاہ میں یہ ایک باطل اصول ہے کیونکہ اس کے مطابق:

(۱) شرعی احکامات اس وقت تک واجب العمل نہیں ہوتے جب تک پاکستانی پارلیمان یا سربراہِ ریاست ضابطے کی کارروائیاں پوری کرتے ہوئے انہیں ملکی قانون نہ قرار دے۔ گویا اللہ کی نازل کردہ شریعت ان کے نزدیک واجب الاتباع شریعت ہی نہیں کیونکہ ان کی قانون ساز مجلس (پارلیمان) نے اسے منظور نہیں کیا۔

دستورِ پاکستان کا یہ اصول شرعاً بالکل باطل ہے۔ اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی عطا کردہ شریعت اور پاکستانی پارلیمان سے صادر ہونے والے قوانین دو مختلف عقیدوں سے پھوٹتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان نہایت واضح تضاد ہے۔ رب کی نازل کردہ شریعت تو کسی انسانی پارلیمان سے منظوری کی محتاج نہیں۔ یہ تو اسی وقت سے واجب العمل ہے جب سے حق تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امت تک پہنچایا۔ کوئی دنیاوی قانون اس شریعت کو تسلیم کرے یا نہ کرے، شریعتِ الٰہی کی قدر و منزلت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ پاکیزہ شریعت تو بعثتِ نبوی صلی

اللہ علیہ وسلم سے موجود ہے اور واجب العمل ہے، چودہ سو سال اسلامی سلطنتوں میں عملاً نافذ رہی ہے اور شرعی قاضی اسی کے مطابق ان چودہ صدیوں میں فیصلے کرتے آئے ہیں۔[۱۰]

(۲) دفعہ ۱۲ میں بیان کردہ اس اصول کے مطابق لوگوں پر حجت اسی وقت قائم ہوتی ہے جب پاکستانی قانون کوئی باقاعدہ فرمان جاری کرے، حالانکہ یہ حجت تو دراصل چودہ سو سال قبل ہی قائم ہوگئی تھی جب یہ شریعت آسمانوں سے نازل ہوئی تھی۔ اب تو اس کے بنیادی احکامات مثلاً شراب، زنا اور چوری وغیرہ کی حرمت سب ہی کو معلوم ہے، کوئی بھی اس سے لاعلمی کا عذر نہیں پیش کرسکتا۔

(۳) یہ اصول شرعی اور غیر شرعی سزاؤں میں تفریق کئے بغیر یہ عمومی قاعدہ دیتا ہے کہ نہ تو 'مؤثر بہ ماضی' سزا دی جاسکتی ہے، نہ ہی جرم کے ارتکاب کے وقت قانون میں جو سزا مقرر تھی اس سے مختلف کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔ گویا اگر جرم کے ارتکاب کے وقت قانون میں کوئی غیر شرعی سزا مقرر تھی تو اب اسے تبدیل کرکے شرعی سزا دینا ممکن نہیں۔ پس یہیں سے اس بات کا دروازہ کھلتا ہے کہ غیر شرعی سزائیں، شرعی سزاؤں کا متبادل قرار پائیں۔ شریعت تو غیر شرعی سزاؤں کو لائقِ اعتبار نہیں سمجھتی لہٰذا یہ اصول شرعاً ناقابلِ قبول ہے۔

(۴) اس دستوری دفعہ سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ ریاستِ پاکستان میں اصل قانون ساز اللہ تعالیٰ نہیں، انسان ہیں؛ کیونکہ اللہ کے حکم کو بھی یہ دستور تبھی تسلیم کرتا ہے جب ارکانِ پارلیمان اس پر مہرِ تصدیق ثبت کردیں۔ اللہ رب العزت تو اپنی کتابِ مقدس میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ قانون بنانے اور حکم دینے کا حق صرف اسی کی ذاتِ بالاصفات کو حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَکَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ﴾ (الأنعام:۵۷)

''آپ کہہ دیجئے! میں تو اپنے پروردگار کی روشن دلیل پر قائم ہوں جبکہ تم اسے جھٹلاتے ہو، جس چیز (عذاب) کے لئے تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم تو اللہ ہی کیلئے خاص ہے، وہ حق بیان کرتا ہے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ﴾

(الأنعام:۶۲)

''پھر (قیامت کے دن لوگ) اپنے مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔سن لو کہ حکم اسی کیلئے خاص ہے،اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف:۴۰)

''اس (اللہ) کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو صرف نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں،اللہ نے ان (کے حق ہونے) پر کوئی سند نازل نہیں کی (یہ سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں،اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا مستحکم دین ہے،لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

اور فرمایا:

﴿وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ (یوسف:۶۷)

''اور (یعقوب علیہ السلام نے) فرمایا: اے بیٹو! (شہر میں) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا،اور میں تمہیں اللہ کی تقدیر سے تو نہیں بچا سکتا،حکم تو اسی کے لئے خاص ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اہلِ توکل کو صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے''۔

اور فرمایا:

﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القصص:۷۰)

''اور وہ اللہ ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں،دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کا حکم،اور

اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القصص:۸۸)

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

اور فرمایا:

﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ﴾ (غافر:۱۲)

''یہ اس لیے ہے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تو تم قبول کرنے سے انکار کر دیتے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے، پس حکم تو اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، جو (سب سے) بلند اور (سب سے) بڑا ہے۔''

لیکن ان تمام آیات کے علی الرغم پاکستان میں قانون سازی کا حق صرف ارکانِ پارلیمان کو حاصل ہے، جب چاہیں کسی حکم کو قانون کی حیثیت دے دیں اور جب چاہیں اسے قانون سے خارج کر دیں۔ ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے ذیل میں یہ بات پوری طرح واضح ہو گی کہ 'مؤثر بہ ماضی' سزا نہ دینے کا اصول کتنے خطرناک نتائج کا حامل ہے اور کس صفائی کے ساتھ یہ اصول احکاماتِ شریعت سے چھٹکارا پانے، انہیں معطل کرنے اور سودی نظام جاری رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(ب) یہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر حیا تک نہ آئی کہ انہوں نے (۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کے بعد) دستورِ پاکستان کی مخالفت کرنے والے کو تو اس اصول سے مستثنیٰ رکھا اور سزا کا مستحق گردانا، لیکن شریعتِ رب العالمین کی مخالفت کرنے والے کو اس دفعہ کے تحت پورا تحفظ فراہم کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے سے مختلف ہے اور یہ لوگ اللہ مالک الملک کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

ساتواں تضاد

آئینِ پاکستان ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے مطلقاً منع کرتا ہے

دستور کی دفعہ ۱۳ ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے منع کرتی ہے۔[۱۱]

شریعت کے پیمانے سے یہ اصول تبھی درست ہوسکتا ہے جب اس جرم پر پہلی مرتبہ دی گئی سزا شریعت کے مطابق ہو۔ البتہ اگر پہلی سزا ہی غیر شرعی ہو تو پھر شریعت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص چوری، زنا یا قتل کے جرم کا مرتکب ہو اور پھر پاکستانی عدالتیں اسے غیر شرعی سزا دے دیں یا پھر صدرِ پاکستان اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی سزا میں تخفیف کردے تو دفعہ ۱۳ کے مطابق کسی بھی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ اس پر شرعی سزا قائم کر سکے......اور یقیناً یہ امر شرعاً ناقابلِ قبول ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی عدالتیں جو غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور جو دوہری سزا کی قائل بھی نہیں، یہ عدالتیں کسی بھی سزا کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتیں جب تک کہ وہ پاکستانی قانون میں مدوّن نہ ہو......جس کا عملی نتیجہ ایک مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ فرض کیجیے کہ پاکستانی عدالتوں میں ایک ایسا ملزم پیش کیا جاتا ہے جسے اپنے جرم کی شرعی سزا دی جا چکی ہے......تو اگرچہ دفعہ ۱۳ کے تحت اسے دوبارہ سزا دینا ناجائز ہے......لیکن پاکستانی عدالت اسے پھر بھی دوبارہ سزا دے گی الا یہ کہ پہلے دی گئی سزا کسی پاکستانی عدالت سے پاکستانی قانون کے مطابق باضابطہ طور پر جاری ہوئی ہو۔

بلکہ امریکہ سمیت کئی ممالک کا طریقہ کار تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے قانون کی نگاہ میں جرم کا مرتکب ہو اور اسے اس جرم کی سزا پاکستان میں دی جا چکی ہو......تو وہ اس سزا کو معتبر نہیں سمجھتے اور دوبارہ خود سے سزا دیتے ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جن فلسطینیوں نے ۸۰ کی دہائی میں 'پان امریکی' طیارہ اغوا کیا تھا امریکہ نے ان کی اس طویل قید کو شمار نہیں کیا تھا جو انہوں نے پاکستانی جیلوں میں کاٹی تھی اور اس طویل سزا کے بعد پاکستان کی رذیل حکومت نے ان فلسطینیوں کو امریکہ کے حوالے کر دیا تھا تاکہ امریکہ انہیں ازسرِ نو سزا دے۔

آٹھواں تضاد

سود کے حوالے سے دستور کا مؤقف

دستور کی دفعہ ۱۳۸ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا۔[۱۲]

(الف) یہ عبارت مستقبل کے لئے ایک وعدہ تھا جو کئی دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی پورا نہیں ہوسکا۔ اس وعدے کی مثال اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کہے کہ میں عنقریب نماز پڑھوں گا یا میں عنقریب اسلام قبول کروں گا......تو کیا محض ایک زبانی وعدے پر یہ شخص نمازی یا مسلمان کہلا سکتا ہے؟

(ب) علاوہ ازیں دستور کی یہ دفعہ کسی قانون ساز قوت کی حامل نہیں، نہ ہی یہ عدالتوں کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے......اس کی حیثیت تو ایک وعدے سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اسی لئے وکیل محمد رفیق بٹ نے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ:

> ''دفعہ ۲۹ سے دفعہ ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں (نہ کہ نافذ العمل قوانین کی)۔ لہٰذا نہ تو ان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے، نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرۂ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کر سکتی ہے۔ البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزو کے طور پر بعض دیگر اغراض کے لئے اپنے دائرۂ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لئے ان دفعات سے مدد لی جا سکتی ہے''۔[۱۳]

(ج) اس دفعہ کے الفاظ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ سود پاکستان میں عملاً و قانوناً جاری و ساری ہے۔ ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے دوران اس کی کچھ مزید مثالیں سامنے آجائیں گی۔

(د) ممکن ہے کہ یہاں کوئی یہ اعتراض اٹھائے کہ: سودی لین دین تو ایک بین الاقوامی حقیقت ہے اور اس سے یکبارگی چھٹکارا پانا ناممکن نظر آتا ہے، لہٰذا مجبوراً اسے بتدریج ہی ترک کرنا ہوگا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اعتراض میں جس 'مجبوری' اور 'تدریج' کا ذکر ہے، دفعہ ۳۸ کی عبارت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔

(۲) پھر اگر بین الاقوامی معاملات میں یہ 'مجبوری' تسلیم کر بھی لی جائے، تو پاکستان کے اندر داخلی معاملات میں تو ایسی کسی مجبوری کا وجود نہیں۔

(۳) اگر ایک لمحے کے لئے خود پاکستان کے اندر بھی 'مجبوری' کا وجود فرض کرلیا جائے تب بھی یہ طے کرنا کہ یہ مجبوری واقعتاً کہاں کہاں پائی جاتی ہے، اضطراراً کسی غیر شرعی لین دین میں اترنے کی حدود و قیود کیا ہیں اور اس اضطراری کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کیا صورتیں ممکن ہیں...... علمائے شریعت کا کام ہے، جبکہ مذکورہ دفعہ میں ایسی کسی بات کا تذکرہ سرے سے موجود ہی نہیں۔

(۴) دفعہ ۳۸ کی یہ عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی[۱۴]۔ آج پچاس سال سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی یہ وعدہ وفا نہیں ہوسکا اور پاکستان میں سودی نظام مستقل پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ ہم دستورِ پاکستان کے اسلامی عناصر پر بحث کے دوران مشاہدہ کریں گے کہ شریعت کے نفاذ اور قوانینِ پاکستان کو خلافِ شرع امور سے پاک کرنے کا وعدہ بھی ۱۹۵۶ء کے دستور میں درج تھا اور یہ وعدہ بھی محض وعدہ ہی رہا ہے، وفا کی نوبت ابھی تک نہیں آئی۔

حواشی

۱ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

President's power to grant pardon, etc.
45. The President shall have power to grant pardon, reprieve and respite, and to remit, suspend or commute any sentence passed by any court, tribunal or other authority. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1.-THE PRESIDENT, Article 45].

۲
THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 54 to 56 and comments on article 45 p: 115.

۳ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع . كتاب آداب القاضي ، فصل في بيان من يصلح للقضاء ۳/۷

۴ چیف جسٹس سمیت سپریم کورٹ کے جج حضرات کی شروط جاننے کیلئے دفعہ ۱۷۷ کی شق ۲ دیکھئے جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of Supreme Court Judges
177………………….
(2) A person shall not be appointed a Judge of the Supreme Court unless he is a citizen of Pakistan and-
(a) has for a period of, or for periods aggregating, not less than five years been a judge of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day); or
(b) has for a period of, or for periods aggregating, not less than fifteen years been an advocate of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day). [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 177].

ہائی کورٹ کے ججوں کی شرائط کے لیے دفعہ ۱۹۳ کی شق ۲ دیکھئے۔ جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of High Court Judges
193…………….
(2) A person shall not be appointed a Judge of a High Court unless he is a citizen of Pakistan, is not less than forty-five years of age, and
(a) he has for a period of, or for periods aggregating, not less than ten years been an advocate of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day); or
(b) he is, and has for a period of not less than ten years been, a member of a civil service prescribed by lawfor the purposes of this paragraph, and has, for a period of not less than three year, served as or exercised the functions of a District Judge in Pakistan; or
(c) he has, for a period of not less than ten years, held a judicial office in Pakistan. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 193].

۵ اسی کے نتیجے میں بھگوان داس کیلئے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بننا ممکن ہوا۔ (مترجم)

۶ اصول الشرعية الإسلامية للمستشار على جريشه ۲۲/۱ :۲۳. نقلتهاعن كلمة حق للشيخ عمر عبدالرحمٰن ص :۳٦، ۳۷

۷ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

The President
41………….

(2) A person shall not be qualified for election as President unless he is a Muslim of not less than forty-five years of age and is qualified to be elected as member of the National Assembly. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1.-THE PRESIDENT, Article 41].

۸ THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary P: 112.

۹ اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Protection against retrospective punishment
12. (1) No law shall authorize the punishment of a person-
(a) for an act or omission that was not punishable by law at the time of the act or omission; or
(b) for an offence by a penalty greater than, or of a kind different from, the penalty prescribed by law for that offence at the time the offence was committed.
(2) Nothing in clause (1) or in Article 270 shall apply to any law making acts of abrogation or subversion of a Constitution in force in Pakistan at any time since the twenty-third day of March, one thousand nine hundred and fifty-six, an offence. [PART II, Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 1. - FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 12].

۱۰ اسی طرح کی ایک کوشش کے ذریعے مصر کی اعلیٰ دستوری عدالت نے بھی دستور کی دفعہ ۲ کی تطبیق سے راہِ فرار اختیار کی جس میں کہا گیا ہے کہ "شریعتِ اسلامیہ کے اصول ومبادی ہی قانون سازی کا ماخذ ہیں"۔ عدالت نے کہا کہ اس دفعہ کا اطلاق ان قوانین پر نہیں ہوتا جو اس سے قبل صادر ہوئے۔ اور چونکہ ملک کے غالب قوانین اس دفعہ کی منظوری سے پہلے بنے ہیں لہٰذا ان پر اس دفعہ کا کوئی اطلاق نہ ہوگا۔ دیکھئے: مركز الدراسات السياسية والاستراتيجية بالاهرام؛ التقرير الاستراتيجي العربي لسنة ۱۹۹۳، ص ۳۳۲، القاهرة ۱۹۹۴، الحكم رقم (۲) لسنة ۴۱ فضائية (دستورية) الصادر فى ۳ ابريل ۱۹۹۳م۔

۱۱ اصل عبارت یہ ہے:

Protection against double punishment and self incrimination
13. No person-
(a) shall be prosecuted or punished for the same offence more than once; [PART II, Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 1. - FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 13].

۱۲ اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people
38. The State shall-
……………………….
(f) eliminate riba as early as possible. [PART II, Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 38].

۱۳
THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY P: 108.

۱۴
THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

باب سوم

دستور کے بیان کردہ وسائل
شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں

پاکستانی دستور کی متعدد عبارتیں حاکمیتِ شریعت قائم کرنے اور قوانین کو خلافِ شرع امور سے پاک کرنے کی ہدایت دیتی ہیں، لیکن یہ تمام عبارتیں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے اتنی کمزور و بے وزن ہیں کہ ان کے ذریعے شریعتِ الٰہیہ کی حاکمیت قائم ہونا محال ہے۔ بلکہ یہ عبارتیں تو خود دستور میں پائی جانے والی خلافِ شرع دفعات ختم کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتیں۔

اس باب میں دستور کی ایسی ہی متعدد عبارتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میں نے اس بحث کو پانچ فصلوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلی فصل: دستور کا دیباچہ 'قراردادِ مقاصد'، دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

(۲) دوسری فصل: دفعہ ۳۱

(۳) تیسری فصل: دفعہ ۳۸

(۴) چوتھی فصل: وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۳ الف

(۵) پانچویں فصل: دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام (دفعہ ۲۲۷ تا دفعہ ۲۳۱)

پہلی فصل

دستور کا دیباچہ ’قراردادِ مقاصد‘، دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

۱۔ دستورِ پاکستان کے دیباچے میں مندرجہ ذیل عبارتیں شامل ہیں:

’’یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے۔

...... جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر، جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآنِ پاک اور سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشاء ترتیب دے سکیں۔

...... لہٰذا ہم، عوامِ پاکستان، اس قادرِ مطلق رب تبارک و تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے مکمل احساس کے ساتھ

پاکستان کی خاطر عوام کی دی گئی قربانیوں کے اعتراف کے ساتھ

بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس اعلان سے وفاداری کے جذبے کے ساتھ کہ پاکستان عدلِ اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی

جمہوریت کی حفاظت کا عزمِ مصمم لیے جو ظلم و استبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے......

حقائقِ مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کر کے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں‘‘۔[1]

ان عبارتوں پر بحث کرنے سے قبل میں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ دستورِ پاکستان کے اس

دیباچہ کو پہلی مرتبہ پاکستان کی پہلی دستور ساز مجلس نے مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد کی صورت میں منظور کیا۔ یہ قرارداد ''قراردادِ مقاصد'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔[۲]

یہ قراردادِ مقاصد پہلے ۱۹۵۶ء کے دستور میں دیباچے کے طور پر شامل کی گئی، پھر ۱۹۶۲ء کے دستور میں بھی اسے دیباچہ قرار دیا گیا اور اپریل ۱۹۷۲ء کے ہنگامی دستور اور ۱۹۷۳ء کے دستور میں بھی اسے دیباچے کی حیثیت دی گئی۔[۳]

پھر دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف کے ذریعے اس قرارداد کو دستور کا مستقل حصہ بنا دیا گیا۔ دستور کی دفعہ ۲ کہتی ہے کہ:

''ریاستِ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا''۔

اور دفعہ ۲ الف میں مذکور ہے کہ:

''قراردادِ مقاصد، جسے دستور کے ساتھ بطور ضمیمہ بھی ملحق کیا گیا ہے، میں درج اصول و احکام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے جو بعینہ من و عن مؤثر ہوں گے''۔[۴]

۲۔ چونکہ دیباچے اور دفعہ ۲ الف میں باہمی ربط ہے لہٰذا ہم یہاں دیباچے کے مذکورہ اقتباسات کے ساتھ ساتھ دفعہ ۲ الف پر بھی تبصرہ کریں گے

الف۔ اسلام اور جمہوریت

دیباچے میں کئی مرتبہ ''جمہوریت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(ا) ''جمہوریت'' کی اصطلاح ایک معروف معنی اور معلوم صفات کی حامل ہے۔ یہ معانی و صفات جمہوریت کا ایسا جزوِ لاینفک ہیں کہ اگر انہیں اس سے الگ کر دیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا وہ کسی طور بھی جمہوریت نہیں کہلائے گا۔ انہی اساسی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قانون سازی اور حکمرانی کا حق عوام کی غالب اکثریت کے پاس ہو اور باقی تمام اقدار و اخلاق اسی بنیاد پر طے ہوں۔ پس حرام وہ ہوگا جسے اکثریت حرام کہے اور حلال وہ جسے اکثریت حلال قرار دے۔

چنانچہ اس بات کا تو تصور ہی ممکن نہیں کہ جمہوریت کی کوئی ایسی شکل بھی ہوسکتی ہے جس میں حاکمیت اور قانون سازی کا مطلق اختیار عوام کے پاس نہ ہو۔ اس کے برعکس کسی ایسے 'اسلام' کا تصور بھی ناممکن ہے جہاں حکمرانی اور قانون سازی کا حق اللہ وحدہ لاشریک کے سوا بھی کسی کو حاصل ہو۔ رب کی شریعت

میں تو حرام وہ ہوتا ہے جسے اللہ سبحانہ تعالیٰ حرام قرار دیں اور حلال وہ جسے اللہ حلال ٹھہرائیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا یہ لوگ ایسے شریکانِ خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ اور اگر فیصلے (کے دن) کا وعدہ نہ ہوتا تو (اب تک) ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا، اور یقیناً ظالموں کے لئے (اس دن) دردناک عذاب ہے''۔

ایک اور مقام پہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ (یونس:۵۹)

''آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھوتو، اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرالیا اور بعض کو حلال، (ان سے) پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا اختیار دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو''۔

لہٰذا اسلام اور جمہوریت کا ملغوبہ بنانا دو ایسے عقائد کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے جو بالکل مختلف بنیادوں سے پھوٹے ہیں اور یکسر مختلف اثرات ونتائج کے حامل ہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام بھی تو باہم مشورے، حکمرانوں کے محاسبے اور ان کے تصرفات پر نگاہ رکھنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہ امور اسلام اور جمہوریت میں مشترک ہیں...... تو اسے کہا جائے گا کہ یوں تو اسلام اور عیسائیت کے درمیان بھی کئی امور مشترک ہیں۔ دونوں ادیان ایمان باللہ کی دعوت دیتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے تمام انبیاء پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے کتاب نازل ہوئی۔ اب خود ہی بتایئے کہ کیا ان مشترکہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کو ''مسیحی اسلام'' یا عیسائیت کو ''اسلامی عیسائیت'' کہنا درست ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ ہم جمہوریت پوری طرح اختیار کر لیں، بلکہ ہم تو محض اس کی چند چیزیں اختیار کرنے کی بات کرتے ہیں، تو میں اس سے پوچھوں گا کہ:

پہلے تو یہ بتلاؤ کہ اسلام اور کفر کا یہ ملغوبہ بنانے اور خالص شرعی اصطلاحات ترک کر کے یہ مبہم اصطلاحات استعمال کرنے سے تمہارا مقصود کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ اس سارے جھگڑے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مبارک شریعت دے کر باقی تمام شرائع اور عقائد سے مستغنی کر دیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾

(النسآء:۱۷۴)

''اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشن) دلیل آ چکی ہے اور ہم نے (کفر و ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کیلئے) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ عَمَّا جَآئَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ. اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (المآئدۃ:۴۸.۵۰)

''اور (اے پیغمبر علیہ السلام) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی اور ان پر نگہبان ہے، پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو حق آپ کے پاس آ چکا اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی

خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے،اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا،لیکن جو حکم اس نے تمہیں دیئے وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے،سو نیک کاموں میں جلدی کرو،تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں بتلا دے گا۔اور(ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ)ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچئے کہ کہیں یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں۔اب اگر یہ نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے،اور یقیناً اکثر لوگ تو گمراہ ہیں۔(اگر یہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے منہ موڑتے ہیں تو)کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں،اور یقین رکھنے والوں کیلئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے‘‘۔

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کفر و اسلام کو خلط ملط کرنے کا یہ سلسلہ دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی شروع ہو جاتا ہے......اور اسی کے نتیجے میں آج ہم بہت سا جدل و فساد دیکھ رہے ہیں اور ہمیں قدم قدم پر خالص اسلامی احکامات و تصورات کی بجائے کفر و شرک اور شرعی مخالفتوں سے آلودہ مفاہیم و معانی سے واسطہ پڑتا ہے۔

(۲)’جمہوریت‘ کا تذکرہ کرتے ہوئے دستورِ پاکستان کہتا ہے کہ:

(الف)’’......جمہوریت،آزادی،مساوات،رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر، جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے،پوری طرح عمل کیا جائے گا‘‘۔

نجانے اسلام نے کہاں جمہوریت کا تصور بیان کیا ہے،جبکہ ہم گزشتہ سطور میں اسلام اور جمہوریت کا صریح تضاد بھی واضح کر چکے ہیں!

(ب)اسی طرح دیباچے میں یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ:’’پاکستان عدلِ اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی‘‘۔

مجھے معلوم نہیں کہ اسلام اور جمہوریت جیسی دو متضاد چیزوں کو ایک ہی جملے میں جمع کرنے سے کیا مقصود ہے؟نیز اس عبارت میں محض اسلام کے’عدلِ اجتماعی‘‘ کا تذکرہ ہی کیوں کیا گیا ہے،اسلام کے

دیگر پہلوؤں: حاکمیت، اخلاقیات، اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اسلام تو اس کُل عمارت کا نام ہے، نہ کہ اس کے چند اجزاء کا!

(ج) دیباچے میں یہ عبارت بھی مذکور ہے کہ: ''(ہم اس) جمہوریت کی حفاظت کا عزمِ مصمم کیے (ہوئے ہیں) جو ظلم و استبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدو جہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے''۔

نجانے اس عبارت کے ذریعے یہ 'اسلامی' دستور کس چیز کی حفاظت کا ذمہ لے رہا ہے؟ پوری جمہوریت کی حفاظت کا؟ اکثریت کے حقِ حکمرانی اور حقِ قانون سازی کے تحفظ کا؟ آخر کس بات کا؟ پس یہ بات تو بڑے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی حق و باطل کی آمیزش کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ب۔ قراردادِ مقاصد کے اسلامی احکامات

جہاں تک قراردادِ مقاصد میں موجود اسلامی ہدایات و احکامات کا تعلق ہے، تو ہم عنقریب دیکھ لیں گے کہ ان کی عبارتوں میں ایسا عموم پایا جاتا ہے کہ ان سے کوئی متعین حکم اخذ کرنا ممکن نہیں، البتہ کچھ عمومی باتیں شاید اخذ کی جا سکیں۔

(۱) مثلاً یہ عبارت کہ:

''یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے''۔

یہ ایک عمومی سی عبارت ہے جو نہ تو یہ بات صراحتاً کہتی ہے کہ حاکمیتِ اعلیٰ صرف شریعتِ اسلامی کی ہوگی اور نہ ہی اس بات پر دوٹوک دلالت کرتی ہے کہ شرعی احکامات کو ایک ایسے بلند و برتر مصدر کی حیثیت حاصل ہوگی جس کے مقابل کوئی دوسری شریعت یا قانون قابلِ قبول نہ ہوں گے۔ اسی طرح اس عبارت میں یہ تصریح بھی نہیں کی گئی کہ شرعی احکامات کو عوامی اکثریت کی رائے پر بھی فوقیت دی جائے گی۔

(۲) اسی طرح یہ عبارت کہ:

''مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآنِ

پاک اور سنتِ محمدیؐ میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشاء ترتیب دے سکیں"۔

یہ بھی محض ایک وعدہ ہے، جو کہ ساٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی پورا نہیں ہو سکا۔

ج۔ قراردادِ مقاصد کے دیباچۂ دستور ہونے کی حیثیت

قراردادِ مقاصد کو دستور کا دیباچہ بنانے، یا دفعہ ۲ الف کی بناء پر اسے دستور کا جزو سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی شریعت ہی اقتدارِ اعلیٰ کی مالک اور قانون سازی کا واحد مصدر قرار پائے...... کیونکہ:

اولاً: قراردادِ مقاصد، دیباچۂ دستور، دفعہ ۲ الف اور اس قسم کی دیگر دفعات نے تو قانونی حیثیت بھی اکثریت کی منظوری سے حاصل کی ہے۔ جبکہ اسلام کی رو سے تو شریعت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اکثریت ہدایت پر ہے یا گمراہی پر...... بجائے اس کے کہ اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ شریعت کا فلاں حکم قبول کیا جائے یا رد۔ اقتدارِ اعلیٰ تو ہر صورت میں شریعت کا حق ہے خواہ اکثریت اس پہ راضی ہو یا ناراض۔

ثانیاً: دستور کو رسمی طور پر دستور کی حیثیت تبھی حاصل ہوتی ہے جب عوامی اکثریت یا تو استصوابِ رائے کے ذریعے یا پھر ارکانِ پارلیمان کے واسطے سے اپنی تائید و موافقت کا اظہار کرے۔ یعنی دستور کی پرفریب خوشنما عبارتوں کے باوجود بھی اس جمہوری نظام میں حکمرانی عوام ہی کا حق ہے اور عوامی تائید ہی دستور کو قانونی حیثیت بخشتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کا دیباچہ مندرجہ ذیل عبارت پر ختم ہوتا ہے:

"(ہم عوامِ پاکستان) حقائقِ مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کر کے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں"۔[۵]

اس کے برعکس شریعتِ الٰہی اپنی حاکمیت منوانے کے لئے عوامی منظوری کی محتاج نہیں۔ اس پہ تو مہرِ تصدیق اسی وقت سے ثبت ہوتی ہے جب یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے زمین پہ نازل ہوتی ہے۔ رب کی شریعت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں انسانوں کی رائے معلوم کرنا بذاتِ خود شریعت سے بغاوت کے مترادف ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾

(المآئدة:۴۸)

''پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے''۔

اور فرمایا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المآئدة:۴۹)

''اوران کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اوران کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اوران سے بچئے کہ یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''۔

اور فرمایا:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ (المؤمنون:۷۱)

''اوراگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان وزمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب درہم برہم ہوجائیں''۔

شریعت کو حاکم بنانے یا نہ بنانے کے حوالے سے استصواب یا رائے شماری کرانا شرعاً کسی طور جائز نہیں، البتہ مسلمانوں کا اپنے معاملات میں شرعی اصولوں کے مطابق باہم مشورہ کرنا جائز ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں کو باہم خلط ملط نہ کیا جائے۔

ثالثاً: پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق دستور میں ترمیم کرے، جیسا کہ دستور کی دفعہ ۲۳۸ اور دفعہ ۲۳۹ میں صراحتاً مذکور ہے۔ اس حوالے سے ہم پہلے باب میں تفصیلی بات کرچکے ہیں۔ پارلیمان کی دوتہائی اکثریت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر چاہے تو دستور کے دیباچے اور دفعہ ۲ کو دستور سے حذف کردے کیونکہ دستور پارلیمان کے اس حق پر نہ تو کوئی قید عائد کرتا ہے، نہ ہی کوئی شرط، نہ اس پر کوئی نگران ہے اور نہ ہی کوئی محتسب۔ اس کے برعکس شریعت میں ایک حرف کی تبدیلی کا اختیار بھی کسی کو حاصل نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المآئدة:۴۹)

''اور ان سے بچیئے کہ یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''۔

د۔ دیباچہ، دفعہ ۲ الف اور عدالتی فیصلے

دستور میں پائے جانے والے تضادات اور دیباچے کی مبہم عبارات کے سبب پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں بھی دیباچے اور دفعہ ۲ الف کے فہم کے حوالے سے بہت تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ نتیجتاً ان عدالتوں نے مختلف متضاد فیصلے جاری کئے ہیں، البتہ یہ سب باہم متضاد و مخالف فیصلے اس بات پر متفق ہیں کہ دستور میں اسلامی شریعت سے متصادم دفعات بھی پائی جاتی ہیں[۶]۔ اختلاف صرف اس امر میں رہا ہے کہ ترجیح کسے دی جائے، اسلامی دفعات کو یا اسلام سے متصادم دفعات کو؟ اور ترجیح دینے کا یہ حق کون رکھتا ہے؟ اگلی سطروں میں ہم، اللہ کی توفیق سے، پاکستان کے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ایسے متضاد فیصلوں کی چند مثالیں پیش کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ ان پہ تبصرہ بھی کرتے چلیں گے۔

(ا) قراردادِ مقاصد اور دستور کی دفعہ ۲ الف کی حیثیت سے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں موجود تضاد و اختلاف کی چند مثالیں:

بیرسٹر محمد رفیق بٹ نے دفعہ ۲ الف اور دفعہ ۲۲۷ پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف کے مقام پر ایک اہم بحث کی ہے جس سے ان دونوں کی حیثیت اور پاکستان کے قوانین اور فیصلوں پر ان کے عملی اثرات واضح ہوتے ہیں۔ اس بحث کی اہمیت کے پیشِ نظر میں اس کا خلاصہ یہاں (معمولی تصرفات کے ساتھ) ذکر کر رہا ہوں:

پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں یہ بحث چلتی رہی ہے کہ قراردادِ مقاصد کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ دستور پر غالب ہے؟ کیا پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں یہ حق رکھتی ہیں کہ کسی قانون یا کسی بھی ہیئتِ مجاز سے جاری ہونے والے فیصلے کو قراردادِ مقاصد سے ٹکراؤ کی صورت میں کالعدم قرار دیں، چاہے وہ قانون یا فیصلہ دیگر دستوری دفعات کے موافق ہی کیوں نہ ہو؟

ایک مقدمے[۷] میں پاکستان کی سپریم کورٹ نے قراردادِ مقاصد کو پاکستان میں قوانین کا سب سے بڑا ماخذ[۸] تسلیم کیا ہے۔ اس فیصلے میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کو مغرب کے قانونی نظریات کی طرف دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے یہاں مرجع و ماخذ مغربی قوانین کے ماٰخذ سے یکسر مختلف ہے۔ اس سب سے بڑے ماخذ و مصدر کی طرف اشارہ پاکستانی دستور ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے''۔[9]

اس اصول میں کسی تغیر وتبدیلی کی گنجائش نہیں۔ ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی پہلی تاسیسی کمیٹی سے منظور کردہ قراردادِ مقاصد میں یہ اصول انتہائی وضاحت کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن اس کے برعکس ایک دوسرے مقدمے کے فیصلے[10] میں کہا گیا کہ قراردادِ مقاصد کوئی دستور سے بالاتر دستاویز نہیں ہے اور نہ ہی عدالتیں اسے زیر بحث لاسکتی ہیں۔

اسی طرح سپریم کورٹ کے ایک اور مقدمے[11] میں جج نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ کوئی بھی مقدس دینی دستاویز اگر دستور میں شامل نہیں ہے اور اس کا جزو قرار نہیں پائی تو پھر یہ ممکن نہیں کہ اسے دستوری دفعات سے بالاتر مقام دیا جائے۔ نیز یہ عدالتیں چونکہ دستور کے تحت وجود پذیر ہوئی ہیں لہٰذا انہیں کسی طور اس بات کا اختیار نہیں کہ یہ دستور کی کسی شق کو کسی دینی دستاویز سے متصادم قرار دیں۔ اب چونکہ قراردادِ مقاصد محض دستور کا دیباچہ ہے، دستور کے اندر درج نہیں، اور اسے دستور کا فعال جزو نہیں بنایا گیا، لہٰذا قراردادِ مقاصد کی روشنی میں دستور کی دفعات کو غلط یا صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ایک دوسرے مقدمے[12] میں جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دستور کی دفعہ ۲ الف کے ذریعے کتاب اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت...... جو ہر مسلمان کے نزدیک تمام قوانین واحکام سے بالاتر قانون وحکم کی حیثیت رکھتی ہیں...... یہ دونوں چیزیں اب پاکستان کا سب سے بالاتر قانون بن چکی ہیں۔ اللہ مالک الملک کی حکمرانی جو اپنے وسیع معانی میں اجتماعی، اقتصادی، قانونی اور سیاسی معاملات، سبھی پر مشتمل ہے...... یہ حکمرانی اب نافذ العمل ہوچکی ہے۔ کتاب وسنت دستور سے بالاتر اقتدار کے حامل ہیں اور انہیں دستور اور تمام تر قوانین کی نگرانی اور ان میں موجود خلافِ شریعت چیزوں کو منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ قراردادِ مقاصد میں مذکور اصول واحکام اب دستور کا بنیادی اور نافذ العمل جزو بن چکے ہیں۔ یہ اصول دستور سے بلند تر حیثیت رکھتے ہیں اور ہر وہ قانون جو ان سے متعارض ہوگا اسے ایک طرف پھینک دیا جائیگا کیونکہ ایسا ہر قانون پاکستان میں مالک الملک سبحانہ وتعالیٰ کی حکمرانی اور قرآن وسنت کی بالاتر حیثیت سے متصادم تصور کیا جائے گا۔ جج نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی عدالتوں کو

صرف اس کا اختیار ہی حاصل نہیں، بلکہ وہ اس بات کی پابند ہیں کہ موجودہ قوانین کی قرآن وسنت کی روشنی میں تفسیر وتاویل کریں اوران میں ضروری ترامیم کرتے ہوئے انہیں نافذ کریں۔

لیکن اسی کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اور مقدمے [۱۳] میں ججوں نے کہا کہ قراردادِ مقاصد کو...... جیسا کہ وہ دفعہ ۲ الف میں مذکور ہے...... دستور کی دیگر دفعات سے بالاتر حیثیت حاصل نہیں ہے، لہٰذا اسے دیگر دفعات کو باطل قرار دینے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر دستور کا ایک حکم دستور ہی کے دوسرے حکم سے ٹکراتا ہو، تو یہ لازم نہیں کہ پہلا حکم دوسرے کو ساقط کردے۔

ایک دوسرے مقدمے [۱۴] کا فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا کہ قراردادِ مقاصد اگر چہ اب دستورِ پاکستان کا اساسی جزو بن چکی ہے، لیکن خود اس کے اپنے اندر یہ قوت نہیں کہ یہ قرآن اور سنت میں موجود تمام احکامات کو دستور کا جزوِ لاینفک بنا سکے، اور نہ ہی عدالتوں کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ یہ کسی قانون کی شرعی حیثیت کو دفعہ ۲ الف کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کردیں۔ قراردادِ مقاصد تو صرف ایک اعلان ہے جو پاکستان کے عقیدے کو واضح کرتا ہے، اسے عدالتوں کے ذریعے سے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی سال ایک دوسرے مقدمے [۱۵] میں عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ عدالتوں پر لازم نہیں کہ وہ کسی قانون کے بارے میں یہ اعلان کریں کہ یہ قراردادِ مقاصد کے ساتھ نہیں چل سکتا، بلکہ عدالتوں کو تو چاہیے کہ وہ قوانین کی ایسی تشریح کرتے ہوئے فیصلے دیں جن سے ان قوانین اور قراردادِ مقاصد کے تقاضوں کو باہم جمع کیا جاسکے۔ عدالتوں کی یہ ذمہ داری نہیں کہ دستور کے کسی حکم کو قراردادِ مقاصد کے خلاف قرار دیں۔

پھر اسی سال ایک اور مقدمے [۱۶] میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ (۲) [۱۷] میں مذکور پابندی کا انطباق ریاستی عہدیداروں کے فیصلوں پر نہیں ہوتا، خواہ وہ عدالتی یا نیم عدالتی محکموں سے تعلق رکھتے ہوں یا دیگر ایسے محکموں سے تعلق رکھتے ہوں جو عملی طور پر قوانین کو نافذ کرتے ہیں، برخلاف ان اداروں کے جن کا کام قانون سازی کرنا یا قانون سازی کے اصول وضع کرنا ہے۔ اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دفعہ ۲۲۷ (۱) یا دفعہ ۲ الف کی بنیاد پر (یعنی قراردادِ مقاصد کی روشنی میں) ان اداروں کے فیصلوں کو باطل قرار دے سکیں۔

ایک اور مقدمے [۱۸] میں جج نے ذکر کیا ہے کہ ہائی کورٹ تو خود دستور کی پیداوار ہے لہٰذا اس پر لازم

ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں دستور کی مکمل تابعداری کرے۔ چنانچہ دستور کے کسی جزو پر نکتہ چینی تو درکنار یہ تو دستور کے کسی جزو کا اعلان بھی نہیں کرسکتیں، کیونکہ یہ تو صرف پارلیمان کا کام ہے۔ نیز جج نے یہ بھی کہا کہ کسی بھی قانون کو قراردادِ مقاصد کی کسوٹی پر جانچ کر اسلام کے موافق بنانے کی کوشش کرنا عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔

ایک دوسرے مقدمے[19] میں اسی جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دفعہ ۲ الف دستور کا ایسا حصہ نہیں جو خود بخود نافذ العمل ہو، نہ ہی ہائی کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کو قراردادِ مقاصد کے معیار پر جانچنے پرکھنے کی کوشش کرے۔[20]

سپریم کورٹ نے دستور کی دفعہ ۲۷۰ الف سے متعلق[21]..... جو کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان اور ایسے تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط، اور دیگر قوانین (جن میں ۱۹۸۵ء کا استصواب اور دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم بھی شامل ہیں) اور ان کے علاوہ ان تمام احکامات وقوانین کو جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر ہوئے، ان تمام کو ان کے نتائج وآثار سمیت کسی بھی عدالت میں چیلنج کئے جانے سے تحفظ فراہم کرتی ہے...... اپنے فیصلے میں کہا کہ قراردادِ مقاصد میں شامل ہدایات اور اصول محض کچھ متقی حضرات کی تمنائیں نہیں جو انہیں خوش کرنے کے لئے دستور کے دیباچے میں سجادی گئی ہوں، بلکہ یہ دستور کا اساسی اور نافذ العمل جزو ہیں۔ ریاست کا کوئی بھی اہلکار اگر قراردادِ مقاصد کی حدود سے تجاوز کرے تو اس کے عمل کو قرآن وسنت سے ثابت شدہ حدودِ الٰہی اور تقاضا ہائے شریعت پر پرکھنے کے بعد ان کی مخالفت کی صورت میں غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آخری احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷۰ الف کی بنیاد پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے اگر یہ بھی اسلام اور قراردادِ مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابند ہیں کہ اس دفعہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ لاگو کریں جو اللہ مالک الملک کے قانونِ اعلیٰ سے مطابقت نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔[22]

مذکورہ بالا فیصلوں کے نتیجے میں پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں اس بات پر جھگڑا کھڑا ہوگیا کہ دستور کی دیگر دفعات کے مقابلے میں دفعہ ۲ الف کی حیثیت کیا ہے؟ اور آیا یہ دفعہ خود بخود نافذ العمل ہے یا نہیں؟ یہ اختلاف اس وقت اپنی انتہا پر پہنچ گیا جب لاہور ہائی کورٹ کے سامنے بہت سے فریقوں کی جانب سے اس صدارتی فرمان[23] کے خلاف درخواستیں پیش کی گئیں جس میں صدر نے دستور کی دفعہ ۴۵ الف سے

حاصل شدہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے ان تمام فیصلوں کو بدل ڈالا جو ۶ دسمبر ۱۹۸۸ء تک فوجی و غیر فوجی عدالتوں سے صادر ہوئے تھے۔ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل پینل نے ان تمام درخواستوں پر ۱۴ جنوری ۱۹۹۶ کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ:

دفعہ ۲ الف دستور کا ایک فعال جزو ہے۔ کوئی بھی عدالت یہ قدرت نہیں رکھتی کہ اسے نافذ کرنے سے انکار کرے۔ عنقریب وفاقی شرعی عدالت اس حوالے سے دستور کی فصل ۳ الف کے تحت حاصل اختیارات استعمال کرے گی، جبکہ دیگر عدالتیں باقی قوانین کے حوالے سے اپنے اختیارات استعمال کریں گی۔ نیز عدالتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ درپیش مقدمات کے حوالے سے یہ اعلان کریں کہ فلاں فلاں قوانین قرآنِ کریم اور سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ اسلامی تعلیمات کے منافی یا ان کے موافق ہیں۔

اگر یہ سزائیں صادر ہونے کی تاریخ اور صدرِ پاکستان کے زیر بحث فیصلے کی تاریخ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اس فیصلہ کن سوال کا جائزہ لیا جائے جو عدالت کو اس وقت درپیش ہے کہ آیا اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے دستور کی دفعہ ۲ الف کی روشنی میں صدرِ پاکستان ایسے اختیارات کا مالک ہوسکتا ہے کہ وہ موت کی سزا میں تبدیلی کرے؟...... تو کتابِ عزیز میں درج قانونِ قصاص و دیت کی روشنی میں ہمارا جواب نفی کی صورت میں ہوگا۔ لہٰذا صدرِ پاکستان کو سزائے موت کے احکامات میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ حدود اور قصاص و دیت کے احکامات سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں تبدیلی کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان حالات میں معافی کا حق صرف اولیائے مقتول کو حاصل ہوتا ہے۔ جن حالات میں سزائے موت کے مذکورہ بالا فیصلے صادر کئے گئے تھے ان میں تو صدر کو کسی قسم کی معافی یا ترمیم وغیرہ کا حق حاصل نہیں، البتہ اگر حالات اس سے مختلف ہوں مثلاً کسی مجرم کو بطور تعزیر کوئی سزا دی جائے تو ایسی صورت میں صدر کو معاف کرنے کا اختیار ہے اور مفادِ عامہ بھی اسی میں ہے۔

دفعہ ۲ الف کی حیثیت کے حوالے سے یہ فیصلہ باقی تمام فیصلوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے لیکن لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی [۲۴]۔ سپریم کورٹ نے اس فیصلے پر کچھ تحفظات ظاہر کرنے کے بعد یہ تمام مقدمات نظرِ ثانی کے لئے دوبارہ لاہور ہائی کورٹ کے پاس بھیجے

اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کی بنیاد پر کسی قانون کے بطلان کا اعلان کریں۔

سپریم کورٹ نے یہاں یہ بات بھی کہی کہ اس طرح کسی قانون کو رد کرنا صرف عدالتی نظرثانی کے بجائے قانون سازی کے پورے عمل کی جانچ پڑتال اور اس پر نظرثانی کا دروازہ کھول دے گا، حالانکہ دفعہ ۲ الف میں بیان کردہ حدود کا خیال رکھنے کی ذمہ داری عوامی نمائندگان پر عائد ہوتی ہے اور وہی اس کا اختیار رکھتے ہیں، نہ کہ عدالتیں[۲۵]۔ سپریم کورٹ کے جج نے اس بات کا تذکرہ بھی کیا کہ دستور میں دفعہ ۲ الف درج ہوجانے کے باوجود بھی اس حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے وقت اس کا ایک خاص کردار متصور تھا اور وہ یہ کہ یہ قرارداد دستور بنانے والوں کے لئے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھے گی اور دستور وضع کرنے کے عمل میں ان کی رہنمائی کرے گی، اور دستور سازی کے دوران ان اعلیٰ ترین مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے گا جو اس میں بیان کئے گئے ہیں۔

اس بنا پر جج نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ اگر دستور کی موجودہ دفعات اور انسانوں کے حقِ قانون سازی پر عائد ہونے والی شرعی حدود کے مابین کوئی تضاد پایا جاتا ہے تو اسے دور کرنے کے لئے وہی اسلوب اختیار کیا جائیگا جس کا تصور دستور کے مصنفین اور قراردادِ مقاصد منظور کرنے والوں نے پیش کیا تھا، یعنی اس کے لئے قومی اسمبلی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ پس عملاً دستور کی جس دفعہ پر اعتراض ہو، اس کی تصحیح خود دستور کے بیان کردہ نظام کے مطابق پارلیمان سے آئینی ترمیم کی منظوری کے ذریعے کی جاسکتی ہے، یہ تصحیح کرنا عدالتوں کا کام نہیں ہے۔[۲۶]

(۲) یہ بیرسٹر محمد رفیق بٹ کی کتاب سے چند اقتباسات تھے جن سے قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف سے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں تضادات واضح ہوتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم ان فیصلوں پر مختصراً تبصرہ کریں گے:

(الف) پاکستان کی ہائی اور سپریم کورٹ کے ججوں کے درمیان قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف کے حوالے سے جو تضاد واختلاف نظر آتا ہے، لامحالہ یہ دو اساسی وجوہات سے پیدا ہوا ہے:

اولاً، ان دونوں کو وضع کرتے وقت انتہائی مبہم اور پیچیدہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور......جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں......ان کی عبارت سے یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں ثابت ہوتی کہ پاکستان میں

قانون سازی کا اصل ماخذ شریعتِ الٰہی ہے، اقتدارِ اعلیٰ بھی اسی کو حاصل ہے اور اس سے متصادم و مخالف ہر قانون باطل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق و باطل کو خلط ملط کرنے کا آغاز دستور کی ابتدائی سطور سے ہی ہو جاتا ہے۔ اگر قرار دادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف میں یہ بات دوٹوک اور واضح انداز میں درج ہوتی کہ شریعتِ اسلامیہ قانون سازی کا سب سے اعلیٰ اور واحد ماخذ ہے، کوئی بھی قانون اس سے متصادم نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی قانون یا دستوری دفعہ اس کے خلاف پائی گئی تو وہ باطل قرار پائے گی...... اگر یہ انداز اختیار کیا جاتا تو تو مندرجہ بالا جھگڑے اور اختلافات سرے سے پیدا ہی نہ ہوتے۔

ثانیاً، دستور بنانے والوں نے صرف اتنا غضب ہی نہیں ڈھایا کہ تطبیقِ شریعت سے متعلقہ دفعات کو مبہم انداز میں تشکیل دیا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے دستور میں ایسی دفعات بھی درج کر دیں جو شریعت سے صراحتاً متصادم تھیں۔ پس یہ دستور...... جو ''ابوالقوانین'' بھی کہلاتا ہے...... ایک عجیب سے ملغوبے میں تبدیل ہو کر ججوں کے لئے مزید پیچیدگی کا باعث بن گیا۔

(ب) مذکورہ بالا اقتباسات کے مطالعے سے پاکستانی ججوں کے افکار و نظریات میں بھی تضادات وابہامات واضح نظر آتے ہیں۔ شاید یہ بحیثیتِ مجموعی پاکستانی معاشرے میں پائے جانے والے انتشارِ فکری ہی کا عکس ہے۔ اس فکری انتشار اور اختلافِ آراء کا پایا جانا اس لئے بھی باعثِ حیرت نہیں کہ، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعہ مرافعہ بنچ کے علاوہ کسی بھی عدالت کا جج بننے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں۔ نیز شرعی و غیر شرعی، کسی بھی قسم کی عدالت کا جج بننے کے لئے 'عادل' (پابندِ شرع) ہونا بھی لازم نہیں۔

میری رائے میں ججوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کے دلوں میں شریعت کی محبت اور دینی غیرت کا جذبہ ہے اور وہ شریعت کی حاکمیت دیکھنے کے خواہاں ہیں (یہ محض میری رائے ہے، اور حسیبِ اصلی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میں اللہ کے سامنے کسی کی پاکی نہیں بیان کرنا چاہتا)۔ پس اسی جذبے کے تحت انہوں نے قرار دادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف کو بلند ترین مقام پر فائز کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ اسے دستور سے بھی بالاتر حیثیت دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قرآن وسنت ہی پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہے۔

لیکن ان کے اس مؤقف میں دو بنیادی کمزوریاں ہیں:

ایک تو یہ کہ قرار دادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف کی عبارتوں سے ان کے مؤقف کی تائید نہیں ہوتی۔

دوسری یہ ہے کہ انہوں نے بھی دستور کو ہی مرجع اور معیار تسلیم کیا ہے اور شریعت کی بالا دستی ثابت کرنے کے لئے بھی دستوری دفعات سے استدلال کیا ہے۔

یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی نصوص اور دستور کی نام نہاد اسلامی دفعات میں تین بنیادی فرق ہیں:

(الف) دستور کی اسلامی دفعات اس بات کی محتاج ہیں کہ وہ اپنی رسمی حیثیت منوانے کے لئے غالب اکثریت کی تائید سے دستور میں باقاعدہ طور پر درج ہوں، جب کہ نصوصِ شریعت نہ صرف انسانوں کی تائید سے بے نیاز ہیں، بلکہ خود انسانوں پر حاکم بن کر اتری ہیں۔

(ب) دستور خود بھی عوامی حاکمیت کا نمائندہ ہے، اور کسی دستور کو بطور دستور تبھی تسلیم کیا جاتا ہے جب عوام کی اکثریت استصواب یا عوامی نمائندگان کے واسطے سے اسے منظوری بخشے۔ اس کے برعکس شریعت کا اللہ مالک الملک کی طرف سے نازل ہونا ہی اس کی حاکمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کی حاکمیت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے پر استصواب یا رائے شماری کرانا قطعاً جائز نہیں۔

(ج) پارلیمان کی غالب اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہے دستوری دفعات میں تبدیلی یا ترمیم کر دے، جبکہ حکمِ شریعت کو تبدیل کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

ججوں کا دوسرا گروہ اس رائے سے اختلاف کرتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ قراردادِ مقاصد اور دفعہ ۲ الف دستور کا مؤثر جزو ہی نہیں، لہٰذا کسی دستوری دفعہ یا کسی قانون کو شرعی احکامات سے تصادم کی بنیاد پر باطل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اور جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، جج حضرات میں عموماً یہی رائے عام ہے۔

تیسرا فریق اس رائے کا حامل ہے کہ قراردادِ مقاصد کے تقاضوں اور دستور کی دیگر دفعات و قوانین کے درمیان جمع و تطبیق کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

ہ۔ پاکستانی دستور اور قوانین میں غیر شرعی مواد موجود ہے

درج بالا بحث میں ہم نے دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور میں موجود حق و باطل کی آمیزش، قراردادِ مقاصد کی مبہم عبارات اور حجیتِ شریعت اور حجیتِ دستور میں پائے جانے والے فرق کا جائزہ لیا ہے۔ نیز اسی بحث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ قراردادِ مقاصد اور اس کے عملی اثرات کے حوالے سے ججوں

کے فہم میں کس قدر تضاد پایا جاتا ہے۔

میری کوشش ہوگی کہ آئندہ سطور میں یہ امر واضح کروں کہ ایک بات تو بہر حال سبھی کو ماننا ہوگی...... خواہ وہ قرآن وسنت کو ملک کا اعلیٰ ترین قانون سمجھتے ہوں یا یہ رائے رکھنے والوں سے اختلاف کرتے ہوں...... کہ پاکستانی دستور اور پاکستانی قوانین میں شریعتِ اسلامی سے متعارض ومتصادم کافی مواد موجود ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف تو خود پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے بھی کیا ہے اور پاکستانی نظام اور اس کے دستور وقوانین کے غیر شرعی ہونے کے لئے صرف یہی ایک بات کافی ہے۔ اگر ہم ایک لمحے کے لئے یہ فرض کرلیں کہ کسی سلطنت کے تمام نظام اور قوانین شریعت کے مطابق اور اس کے تابع ہیں لیکن وہ صرف ایک ایسا قانون بنالے جو شریعت سے متصادم ہو تو وہ حکومت غیر اسلامی حکومت کہلائے گی۔ بلکہ علماء کا تو اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ حکومت اس قانون سے رجوع نہ کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی جن آیات سے ہم پہلے استدلال کر چکے ہیں ان میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے خبردار کرتے ہیں کہ کہیں مشرکین انہیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم سے بہکا نہ دیں۔ فرمایا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (المآئدة:۴۹)

''اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور ان سے بچئے کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''۔

اور فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ. فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (سورة محمد:۲۵-۲۸)

''بے شک جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد پشت پھیر کر مرتد ہو گئے۔ شیطان نے (یہ

کام) ان کو مزین کر دکھایا اور انہیں طول (عمر کا وعدہ) دیا۔ یہ اس لیے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بیزار ہیں، یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات بھی مانیں گے، اور اللہ انکے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔ تو اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ جس چیز سے اللہ ناخوش ہے، یہ اس کے پیچھے چلے اور اس کی خوشنودی کو ناپسند کیا، تو اس نے بھی انکے اعمال کو برباد کر دیا''۔

گزشتہ صفحات میں قارئین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا وہ قول بھی پڑھ چکے ہیں [۲۷] جس میں آپ نے چنگیز خان کی وضع کردہ کتاب ''یاسق'' کے بارے میں شریعت کا حکم بیان کیا ہے جو کہ اسلام، تاتاری رسوم وروایات اور دیگر شریعتوں کا ایک مخلوط مرکب تھا۔

نیز اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جو گروہ بھی اسلام کے کسی صریح حکم کو بجا لانے سے رُکا رہے (**طائفة ممتنعة عن شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة**) تو اس کے خلاف قتال کیا جائے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے جب ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہیں نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے لیکن وہ نماز پڑھنے سے انکاری رہیں، تو آپؒ نے جواب دیا:

''وكذلك كل طائفة ممتنعة عن شريعة واحدة من شرائع الإسلام الظاهرة، أو الباطنة المعلومة، فإنه يجب قتالها، فلو قالوا: نشهد ولا نصلي قوتلوا حتى يصلوا، ولو قالوا: نصلي ولا نزكي قوتلوا حتى يزكوا، ولو قالوا: نزكي ولا نصوم ولا نحجّ، قوتلوا حتى يصوموا رمضان، ويحجوا البيت. ولو قالوا: نفعل هذا لكن لا ندَع الربا، ولا شرب الخمر، ولا الفواحش، ولا نجاهد في سبيل الله، ولا نضرب الجزية على اليهود والنصارى، ونحو ذلك. قوتلوا حتى يفعلوا ذلك. كما قال تعالى: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾. وقد قال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾. والربا آخر ما حرّم الله، وكان أهل الطائف قد أسلموا وصلوا

و جاهدوا، فبين الله أنهم إذا لم ينتهوا عن الربا، كانوا ممن حارب الله ورسوله.

و في الصحيحين أنه لما توفي رسول الله ـ صلى الله عليه و سلم ـ و كفر من كفر من العرب، قال عُمَر لأبي بكر: كيف تقاتل الناس؟ و قد قال النبي صلى الله عليه و سلم ''أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله، و أني رسول الله. فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماء هم و أموالهم إلا بحقها''. فقال أبو بكر: ألم يقل: إلا بحقها؟. والله لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم لقاتلتهم عليه. قال عُمَر: فوالله ما هو إلا أن رأيت الله قد شرح صدر أبي بكر للقتال، فعلمت أنه الحق''.

''ہر وہ گروہ جو اسلام کے معلوم احکامات......خواہ ظاہری ہوں یا باطنی......میں سے کسی ایک بھی حکم پر عمل پیرا ہونے سے انکار کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی گروہ کہے کہ ہم وحدانیتِ الٰہی اور رسالتِ نبویؐ کی گواہی تو دیتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھیں گے، تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگیں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ دینے لگیں۔ یا پھر وہ کہیں کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے لیکن نہ تو روزے رکھیں گے نہ ہی حج کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ رمضان کے روزے رکھیں اور بیت اللہ کا حج کریں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم یہ سب کچھ کریں گے لیکن نہ تو سود چھوڑیں گے، نہ شراب نوشی و فواحش ترک کریں گے، نہ اللہ کے رستے میں جہاد کریں گے اور نہ ہی یہود و نصاریٰ پر جزیہ عائد کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یہ تمام احکام بجالائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور ان سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور پورے کا پورا دین اللہ کے لئے خالص ہو جائے﴾

اور فرمایا: ﴿اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو جو کچھ سود باقی ہے اسے چھوڑ دو، پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو﴾

اللہ رب العزت نے سب سے آخر میں سود کو حرام قرار دیا اور اہل طائف کو......جو اسلام قبول

کر چکے تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے اور جہاد تک کرتے تھے...... خبردار کیا کہ اگر وہ سود سے باز نہ آئے تو انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا۔

نیز صحیحین میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور اہلِ عرب کی بہت بڑی تعداد دین سے پھر (کر مرتد ہو) گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کس بنیاد پر لوگوں سے قتال کریں گے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ:

''مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اگر وہ ایسا کرلیں تو مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے، سوائے اس کے جو حق (ان سے وصول کرنا) شریعت ہی نے مقرر کیا ہو''۔

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ''سوائے اس کے جو حق ان سے وصول کرنا شریعت ہی نے مقرر کیا ہو''۔ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ وہ ایک رسی بھی جو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بطور زکوٰۃ) دیا کرتے تھے مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں اس کی خاطر بھی ان سے قتال کروں گا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! جب میں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے (مرتدین کے خلاف) قتال کے لئے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا ہے تو میں سمجھ گیا کہ انہی کا مؤقف مبنی برحق ہے''۔[۲۸]

اسی طرح جب امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے تاتاریوں کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا:

''الحمد لله كل طائفة ممتنعة عن التزام شريعة من شرائع الإسلام الظاهرة المتواترة؛ من هؤلاء القوم و غيرهم فإنه يجب قتالهم، حتى يلتزموا شرائعه و إن كانوا مع ذلك ناطقين بالشهادتين و ملتزمين بعض شرائعه، كما قاتل أبوبكر الصديق والصحابة - رضي الله عنهم - مانعي الزكاة. و على ذلك اتفق

الفقهاء بعدهم بعد سابقة مناظرة عمر لأبي بكر رضي الله عنهما. فاتفق الصحابة ـ رضي الله عنهم ـ على القتال على حقوق الإسلام عملا بالكتاب والسنة. و كذلك ثبت عن النبي ـ صلى الله عليه و سلم ـ من عشرة أوجُهٍ الحديث عن الخوارج، و أخبر أنهم شر الخلق و الخليقة مع قوله: ''تحقّرون صلاتكم مع صلاتهم و صيامكم مع صيامهم''. فعُلم أن مجرد الاعتصام بالإسلام مع عدم التزام شرائعه ليس بمسقط للقتال. فالقتال واجب حتى يكون الدين كله لله، و حتى لا تكون فتنة. فمتى كان الدين لغير الله فالقتال واجب. فأيما طائفة امتنعت من بعض الصلوات المفروضات أو الصيام أو الحج أو عن التزام تحريم الدماء و الأموال و الخمر و الزنا والميسر أو عن نكاح ذوات المحارم أو عن التزام جهاد الكفار أو ضرب الجزية على أهل الكتاب و غير ذلك من واجبات الدين و محرماته ـ التي لا عذر لأحد في جحودها و تركها ـ التي يكفر الجاحد لوجوبها. فإن الطائفة الممتنعة تُقاتل عليها، و إن كانت مقِرّةً بها. و هذا ما لا أعلم فيه خلافا بين العلماء. و إنما اختلف الفقهاء في الطائفة الممتنعة إذا أصرّت على ترك بعض السنن كركعتي الفجر و الأذان و الإقامة ـ عند من لا يقول بوجوبها ـ و نحو ذلك من الشعائر. هل تُقاتل الطائفة الممتنعة على تركها أم لا؟ فأما الواجبات والمحرمات المذكورة و نحوها فلا خلاف في القتال عليها''.

''تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے...... ہر وہ گروہ جو اسلام کے معروف و متواتر احکامات میں سے کسی ایک حکم پر بھی عمل پیرا ہونے سے انکار کرے اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے، خواہ وہ تاتاریوں میں سے ہو یا کسی دوسری قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ قتال اس وقت تک واجب رہتا ہے جب تک یہ ان احکاماتِ الٰہی کی پابندی نہ اختیار کرلیں۔ نیز ان کا اپنی زبان سے کلمے کی گواہی دینا اور بعض دیگر احکاماتِ شریعت کی پابندی کرنا بھی اس قتال میں مانع نہیں، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعینِ زکوٰۃ کے

کے خلاف قتال کیا (حالانکہ وہ کلمہ گو بھی تھے اور دیگر تمام عبادات بھی ادا کیا کرتے تھے)۔
اگر چہ ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بحث کی، لیکن بعد میں (نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گئے، بلکہ) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے فقہاء بھی اس مسئلے پر متفق ہو گئے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات اس بات کی متقاضی ہیں کہ اسلام کے مقرر کردہ حقوق وصول کرنے کی خاطر (ایسے لوگوں سے) قتال کیا جائے (جو یہ حقوق ادا کرنے سے انکاری ہوں)۔
اسی طرح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دس سندوں کے ساتھ خوارج والی حدیث ثابت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں، اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ وصف بھی بیان فرمایا کہ:
''تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابل اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابل حقیر جانو گے''۔
اس سے معلوم ہوا کہ احکاماتِ اسلام کا التزام کئے بغیر اسلام قبول کرنے سے قتال ساقط نہیں ہوتا۔ قتال تو واجب رہتا ہے یہاں تک کہ فتنے کا خاتمہ ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے۔ پس جب تک دین کا کچھ حصہ غیر اللہ کے لئے ہو، قتال واجب رہے گا۔ لہٰذا جو گروہ بھی کسی فرض نماز، (رمضان کے) روزوں یا حج جیسے فرائض ادا کرنے سے رکا رہے یا پھر ناحق خون بہانے، مال لوٹنے، شراب پینے، زنا کرنے، جوا کھیلنے، محرم رشتہ داروں سے نکاح کرنے جیسے افعال کی حرمت کا التزام نہ کرے، یا کفار کے خلاف جہاد اور اہلِ کتاب پر جزیہ عائد کرنے کے حکم الٰہی کی پابندی اختیار نہ کرے اور ایسے ہی دیگر دینی واجبات اور محرمات ......جن کا انکار کرنے یا جنہیں ترک کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، اور جن کے وجوب کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے...... جو گروہ بھی عملاً ان امور کی پابندی اختیار کرنے سے رکا رہے تو اس کے خلاف قتال کیا جائے گا چاہے وہ اس کے وجوب کا اقرار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ اس

گروہ کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جو بعض سنتوں کے ترک پر دوام اختیار کرے، مثلاً جو فجر کی دو سنتیں، اذان، اقامت اور ایسے دیگر شعائر یکسر ترک کر دے (یہ ان علماء کے نزدیک جو ان اعمال کو واجب نہیں بلکہ سنت سمجھتے ہیں)۔ پس ایسے گروہ کے خلاف قتال کرنے، نہ کرنے کے مسئلے پر علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن مذکورہ بالا واجبات و محرمات وغیرہ کی پابندی ترک کرنے والوں کے خلاف قتال پر تو کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا''۔ [۲۹]

اسی طرح امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے ایسے گروہ کے متعلق پوچھا گیا جو طاقت وقوت رکھنے کے باوجود شرعی احکامات قائم نہیں کرتا، کیا ان کے خلاف قتال جائز ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''نعم. يجوز؛ بل يجب بإجماع المسلمين قتال هؤلاء و أمثالهم من كل طائفة ممتنعة عن شريعة من شرائع الإسلام الظاهرة المتواترة؛ مثل الطائفة الممتنعة عن الصلوات الخمس أو عن أداء الزكاة المفروضة إلى الأصناف الثمانية ـ التي سماها الله تعالى في كتابه ـ أو عن صيام شهر رمضان أو الذين لا يمتنعون عن سفك دماء المسلمين و أخذ أموالهم أو لا يتحاكمون بينهم بالشرع الذي بعث الله به رسوله، كما قال أبو بكر الصديق و سائر الصحابة ـ رضي الله عنهم ـ في مانعي الزكاة، وكما قاتل عليّ بن أبي طالب وأصحاب النبي ـ صلى الله عليه و سلم ـ الخوارج''.

''جی ہاں! جائز ہے، بلکہ اس امر پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ اور ایسے دیگر گروہ جو اسلام کے کسی ایک بھی متواتر اور واضح حکم کی ادائیگی سے رکے رہیں، ان کے خلاف قتال واجب ہے۔ مثلاً وہ گروہ جو پانچ فرض نمازیں ادا نہ کرے، یا قرآنِ حکیم میں مذکور (زکوٰۃ کی) آٹھ مدات میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے سے ہاتھ کھینچ لے، یا رمضان کے روزے نہ رکھے؛ یا وہ گروہ جو مسلمانوں کا ناحق خون بہانے اور مال لوٹنے سے نہ چوکے یا جس شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اسے اپنے باہمی فیصلوں میں حَکَم نہ بنائے...... تو ایسے گروہ سے قتال کیا جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف قتال کرنے کا مؤقف اختیار کیا، اور جیسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحابِ نبیؐ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خوارج سے قتال کیا''۔[۳۰]

حواشی

۱۔ اصل عبارت یوں ہے:

Whereas sovereignty over the entire Universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust;

…………………………

Wherein the principles of democracy, freedom, equality, tolerance and social justice, as enunciated by Islam, shall be fully observed;

Wherein the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teachings and requirements of Islam as set out in the Holy Quran and Sunnah;

…………………………………..

Now, therefore, we, the people of Pakistan;

Conscious of our responsibility before Almighty Allah and men;

…………………………..

Faithful to the declaration made by the Founder of Pakistan, Quaid-i- Azam Mohammad Ali Jinnah, that Pakistan would be a democratic State based on Islamic principles of social justice;

Dedicated to the preservation of democracy achieved by the unremitting struggle of the people against oppression and tyranny. [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN, 1973, Preamble].

۲۔ OBJECTIVE RESOLUTION

۳۔ اصل عبارت یوں ہے:

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 52.

۴۔ اصل عبارت یوں ہے:

Islam to be State religion

2. Islam shall be the State religion of Pakistan.

2A. The Objectives Resolution to form part of substantive provisions

2A. The principles and provisions set out in the Objectives Resolution reproduced in the Annex are hereby made substantive part of the Constitution and shall have effect accordingly. [PART I Introductory, Article 2].

۵۔ اصل عبارت یوں ہے:

Now, therefore, we, the people of Pakistan;

………….

Do hereby, through our representatives in the National Assembly, adopt, enact and give to ourselves, this Constitution. [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN, 1973, Preamble].

۶۔ جیسا کہ دوسرے باب کی دوسری فصل کے تیسرے تضاد میں صدرِ پاکستان کے کسی بھی جرم کو معاف کرنے کے حق پر بحث کے دوران یہ بات واضح کی جا چکی ہے۔

۷۔ پنجاب حکومت کیخلاف عاصمہ جہانگیر کا مقدمہ (PLD 1972 S.C.139)

۸۔ Grund norm

۹۔ یہ قراردادِ مقاصد کی اصل عبارت سے ملتی جلتی عبارت ہے۔

۱۰۔ انکوائری جج کے خلاف حسین نقی کا مقدمہ - لاہور - (PLD 1973 Lahore 164)

۱۱۔ ضیاء الرحمان کے خلاف ریاست کا مقدمہ (PLD 1973 S.C.49)

۱۲۔ محمد حسین کے خلاف حبیب بینک لمیٹڈ کا مقدمہ (PLD 1987 Karachi 612)

۱۳۔ پاکستان کے خلاف غلام مصطفیٰ کھر کا مقدمہ (PLD 1988 Lahore.49)

۱۴۔ وحید فیبرکس لمیٹڈ کے خلاف حبیب بینک لمیٹڈ کا مقدمہ (PLD 1989 Karachi.371)

۱۵۔ وفاق اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف شرف فریدی کا مقدمہ (PLD 1989 Karachi.404)

۱۶۔ انکم ٹیکس آفیسر کے خلاف عزیز احمد شیخ کا مقدمہ (PLD 1989 S.C.613)

۱۷۔ یہی وہ دفعہ ہے جو کہتی ہے کہ تمام قوانین قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں۔ آئندہ صفحات میں اس پر بحث ہوگی (انشاءاللہ)

۱۸۔ ولی محمد کے خلاف کنیز فاطمہ کا مقدمہ (PLD 1989 Lahore.490)

۱۹۔ یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کے خلاف ماسو کا مقدمہ (1990 MLD 2340)

۲۰۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 52 to 54.

۲۱۔ 1990 CLC 1683.

۲۲۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 227 p: 384.

۲۳۔ صداقتی خطاب نمبر (8/15/88 PTNS Islamabad) تاریخ 7/12/1988

۲۴۔ حکومتِ پاکستان کے خلاف حکم خان ولد فضل الٰہی اور دو دوسرے اشخاص کا مقدمہ (Cri. P.L.A. NO.100 of 1992)

۲۵۔ اسی طرح ایک فتویٰ مصر کی آئینی سپریم کورٹ نے بھی مصری دستور کی دفعہ ۱۶۵ کی بنیاد پر دیا تھا جو یہ کہتی ہے کہ عدالتوں کے فیصلے صرف ملکی قانون پر مبنی ہوں گے۔ لہٰذا کوئی جج خود ساختہ قانون کے بجائے شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں دے سکتا۔ اسی وجہ سے جب مصری قاضی (جج) مشیر محمد محمود غراب نے ایک شرابی پر جسے سرِ عام نشے کی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا، اسّی کوڑوں کا حکم جاری کیا تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہو سکا اور اسے سنت کے موافق ہونے کے باوجود باطل شمار کیا گیا کیونکہ یہ مصری قانون کے مخالف تھا۔ بلکہ اس فیصلے کو قاضی محمود غراب کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی بنیاد بناتے ہوئے وزارتِ عدل کی عدالتی تفتیش کے ادارے نے انہیں نوٹس جاری کیا جس کا نمبر شمار یہ ہے (۵-۸۱-۱۹۸۱) اور اس میں مندرجہ بالا فیصلے کے بطلان کو ثابت کرتے ہوئے کہا گیا کہ ''اس فیصلے پر یہ اعتراض ہے کہ جب یہ قانون قرار پا چکا ہے کہ سزا صرف قانون کی بنیاد پر ہوگی اور صرف انہی افعال پر سزا دی جاسکتی ہے جو قانون کی تاریخ نفاذ کے بعد صادر ہوں، اور قوانین میں سزائیں متعین کی جا چکی ہیں اور ان سزاؤں میں مذکورہ ملزم کو کوڑے مارنے والی سزا نہیں ہے لہٰذا یہ فیصلہ خلاف قانون ہوا ہے جس سے یہ فیصلہ باطل ہو جاتا ہے''۔ اور پھر قاضی محمد محمود غراب کو اس فیصلے کے بعد قضاء سے ہٹا کر انتظامی ڈیوٹی پر لگا دیا گیا۔ (اس مقدمے کی تفصیلات کیلئے قاضی محمد محمود غراب کی کتاب: ''أحكام اسلامية إدانة للقوانين الوضعية '' کی طرف مراجعت کیجئے)

۲۶
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 54 to 56.

۲۷ باب دوم، فصل اول۔

۲۸ مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ۸۴/۵

۲۹ مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ۴۲۵/۶

۳۰ مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ۴۲۹/۶

دوسری فصل

دستور کی دفعہ ۳۱

اسلامی طرز زندگی

دستور نے دفعہ ۳۱ کو ’’اسلامی طرزِ زندگی‘‘ کا عنوان دیا ہے، جس کی عبارت کچھ یوں ہے:

۱۔ پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہوسکیں۔

۲۔ مسلمانانِ پاکستان کے حوالے سے ریاست مندرجہ ذیل امور کی کوشش کرے گی:

(الف) قرآنِ کریم اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا، اس کے لئے سہولت بہم پہنچانا اور قرآنِ کریم کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

(ب) اتحاد واتفاق اور اسلام کے اخلاقی معیار کی پابندی کو فروغ دینا۔

(ج) زکوٰۃ (عشر)، اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا[1]

جب ہم اس دفعہ کی عبارتوں پر غور کرتے ہیں تو ان میں سے اہم ترین عبارت یہ محسوس ہوتی ہے:

’’پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہوسکیں‘‘۔

اس عبارت کی بناوٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(الف) یہ محض ایک وعدہ ہے

یہ محض ایک وعدہ ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے...... بقول دفعہ ۳۱...... ریاستِ پاکستان کی جانب سے عنقریب "اقدامات اٹھائے جائیں گے"؛ اور یہ بات تو معروف ہی ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ میں شریعت کے مطابق فیصلے کرنا شروع کر دوں گا، یا میں نماز قائم کروں گا، یا میں زکوٰۃ ادا کروں گا تو محض اس وعدے کی بنیاد پر اسے شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والا، یا نماز قائم کرنے والا، یا زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔ بیرسٹر محمد رفیق بٹ دفعہ ۳۱ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ بھی ان تصریحات اور وعدوں میں سے ہے جو دستور نے امت کے ساتھ طے کئے ہیں"۔[۲]

اسی طرح دفعہ ۲۹ سے ۴۰ تک کی تمام دفعات پر تبصرہ کرتے ہوئے بیرسٹر رفیق بٹ نے کہا:

"دفعہ ۲۹ سے دفعہ ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں، پس نہ تو ان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے، نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرۂ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کر سکتی ہے۔ البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزو کے طور پر بعض دیگر اغراض کے لئے اپنے دائرۂ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لئے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے"۔[۳]

یہی دفعہ کم و بیش اسی صورت میں ۱۹۵۶ء[۴] کے دستور میں بھی موجود تھی اور پچاس سال سے زائد عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی یہ تمام وعدے وفا کے منتظر ہیں!

(ب) مبہم الفاظ

اسی طرح دفعہ ۳۱ کی عبارت میں "احکاماتِ اسلام" جیسی واضح اصطلاح چھوڑ کر "اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ حالانکہ کئی اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات، مثلاً سچ، انصاف، ایفائے عہد، امانت، پاک دامنی، زیادتی سے پرہیز اور ظلم کے خلاف مزاحمت وغیرہ میں تو اسلام اور دیگر شریعتوں میں مشترک امور پائے جانا ممکن ہے۔ اصل فرق تو احکامات کے ذیل میں ہے، جہاں اسلام باقی شریعتوں سے یکسر مختلف ہے۔[۵]

تیسری فصل

دستور کی دفعہ ۳۸

سود کا خاتمہ

دفعہ ۳۸ کی عبارت کہتی ہے کہ:

''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا''۔[۶]

یہی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی۔[۷]

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس وعدے کے پچاس سال بعد بھی پاکستان میں سودی نظام زور و شور سے جاری ہے۔[۸]

چوتھی فصل

وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۳الف

دستور کے حصہ ہفتم کے باب ۳الف (دفعہ A۲۰۳ تا J۲۰۳) میں وفاقی شرعی عدالت سے متعلق کچھ احکامات درج کئے گئے ہیں۔ ان دفعات پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

(الف) وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے مستثنیٰ امور

دفعہ B۲۰۳ اس فصل میں ذکر کردہ تعریفات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے:

''قانون میں ہر ایسا رواج یا عرف شامل ہے جو قانونی قوت کا حامل ہو......لیکن اس میں دستور، مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین، کسی بھی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قانون، یا اس باب کے نافذ العمل ہونے کے دس سال بعد تک ہر قسم کے مالی قوانین، یا محصولات اور فیسوں کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلقہ قوانین، یا بینکاری اور بیمہ کے عمل اور اس کے طریقۂ کار سے متعلقہ قوانین شامل نہیں ہوں گے''۔[9]

اس دفعہ کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دستور بنانے میں کس قدر مکر وفریب اور شیطنت سے کام لیا گیا ہے، اور قوم کے ساتھ کیسا سنگین مذاق کیا گیا ہے:

(ا) اس فصل کے ابتدائی حصے میں ہی دستور سازوں نے نہایت سلیقے کے ساتھ وفاقی شرعی عدالت سے تمام اہم اختیارات سلب کر لیے ہیں۔ نتیجتاً یہ عدالت ایک ایسا بے بس سا محکمہ بن کر رہ گیا ہے جو شریعت نافذ کرنے سے کلی طور پر عاجز ہے:

اولاً، اس دفعہ نے شرعی عدالت کو دستور کا جائزہ لینے سے روک دیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ:

<u>الف</u>۔ وفاقی شرعی عدالت ایک کمزور اور بے بس ادارہ ہے کیونکہ اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دستورِ پاکستان کا جائزہ لے......حالانکہ دستور تو ان کے نزدیک ''ابوالقوانین'' اور قانون سازی کا اصل مصدر ہے۔ گویا وفاقی شرعی عدالت کو اتنا حق بھی نہیں کہ یہ قانون سازی کے مصدر کا جائزہ لے سکے۔ جبکہ اس کے برعکس، پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کو یہ حق حاصل ہے

کہ وہ دستوری دفعات کی تشریح وتفسیر کرے۔ اس حوالے سے ہم گزشتہ صفحات پر دفعہ ۲ الف، دفعہ ۲۷۰ الف، اور دفعہ ۴۵ پر پاکستانی عدالتوں کی بحث نقل کر چکے ہیں۔

صرف یہی نہیں، بلکہ دستور کی دفعہ ۱۸۴ تو سپریم کورٹ کو مکمل اختیار دیتی ہے کہ وہ ان تمام معاملات میں فیصلہ صادر کرے جو دستور میں بیان کردہ ''بنیادی حقوق'' سے تعلق رکھتے ہیں۔[۱۰]

ب۔ یہ بات بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ دستورِ پاکستان کئی ایسی دفعات پر مشتمل ہے جو شریعت سے واضح طور پر متصادم ہیں اور ان میں سے بعض کے خلافِ شرع ہونے کا اعتراف خود پاکستانی عدالتوں نے بھی کیا ہے...... لیکن اس کے باوجود وفاقی شرعی عدالت کو ان دفعات کے حوالے سے ایک حرف بھی کہنے کا اختیار نہیں۔

ج۔ وفاقی شرعی عدالت کو تو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دستور کا جائزہ لے، لیکن دستورِ پاکستان کو وفاقی شرعی عدالت پر مکمل اختیار اور غلبہ حاصل ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، دستور کی دفعات ۲۳۸ اور ۲۳۹ ارکانِ پارلیمان کو بلا کسی قید وشرط یہ حق دیتی ہیں کہ وہ جیسے چاہیں دستور کے احکام میں ترمیم وتبدیلی اور تغییر وابطال کریں۔ چنانچہ اگر دو تہائی ارکانِ پارلیمان ''وفاقی شرعی عدالت'' کو ''انسدادِ شریعت عدالت'' میں بدلنا چاہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں کیونکہ وہ قانون سازی کا مکمل حق رکھتے ہیں۔ اس سادہ سی مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

☆ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ شریعت کو نہیں حاصل، بلکہ عوام اور عوامی ارادہ ہی حاکمِ اعلیٰ ہے اور پارلیمان کی غالب اکثریت کی رضا نظام چلانے والوں کے نزدیک عوامی رضامندی ہی کی دلیل ہے۔ اس بات سے قطعِ نظر کہ کیا واقعتاً ارکانِ پارلیمان امت کے نمائندے ہیں یا نہیں...... یہ بات تو بہرحال ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ نہ تو شریعت کو حاصل ہے، نہ ہی قرآنِ کریم اور سنتِ مطہرہ کو۔ اقتدارِ اعلیٰ کی مالک تو وہ دیگر قوتیں ہیں جو پاکستان کو اسلام سے دور لے جا رہی ہیں اور اپنی خواہشات کے مطابق اہلِ پاکستان کی قسمت سے کھیل رہی ہیں۔

☆ اسی مثال سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستورِ پاکستان نے پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے اور اسے شریعت اور کتاب وسنت کی حاکمیت پر مبنی ایک اسلامی ریاست بنانے کے لئے

جو وسائل و ذرائع تجویز کئے ہیں، وہ اتنے ناقص و بودے ہیں کہ ان سے کبھی بھی نفاذِ اسلام کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لینے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ ''اسلامی'' جمہوریہ پاکستان کے ''اسلامی'' دستور میں پائے جانے والے ان تضادات کا حل تو میری سمجھ سے بالاتر ہے؟ اگر ایک شرعی عدالت مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ بھی نہیں لے گی، تو آخر کس کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے گی؟ مشرکینِ عرب کے......!؟ فرعونِ مصر کے......!؟ یا اسرائیلی یہودیوں کے......!؟ عربی زبان کی مشہور ضرب المثل ہے...... ''شر البلیة ما یضحك''، بدترین مصیبت وہ ہوتی ہے جس پر ہنسی آئے۔

ثالثاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق بھی نہیں کہ وہ کسی عدالت اور ٹریبونل کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے۔ یہ حق سلب کرنے سے شرعی احکام سے کھیلنے اور دینی تعلیمات سے انحراف کا دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔ عدالتی کارروائیوں سے متعلقہ قوانین تو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، مثلاً دعویٰ قبول یا رد کرنا، عدالت کے دائرۂ اختیار کا تعین، گواہی، وکالت، اثباتِ جرم کے دلائل، اثباتِ جرم کے وسائل و ذرائع، قانون و دستور کی تفسیر کا عدالتی حق، عدالتی فیصلوں کے ابطال اور ان میں ترمیم کا حق اور ایسے اہم ترین مسائل عدالت کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قوانین کے تحت ہی آتے ہیں...... لیکن وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق نہیں حاصل کہ وہ ان کا جائزہ لے یا انہیں زیر بحث لائے۔ اس سے یہ تلخ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ پاکستان میں بیک وقت دو عدالتی نظام چل رہے ہیں، ایک عاجز، کمزور اور ناقص اختیارات کا حامل نظام جو وفاقی شرعی عدالت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور دوسرا وہ سیکولر عدالتی نظام جو پاکستان کی باقی تمام عدالتوں میں جاری و ساری ہے۔

رابعاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو دس سال کی مدت کے لئے ہر قسم کے مالی قوانین، یا محصولات کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلقہ قوانین، یا بینکاری اور بیمہ کے عمل اور اس کے طریقۂ کار سے متعلقہ قوانین پر بحث کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ میں نہیں جانتا کہ آیا یہ پابندی اب بھی جاری ہے یا نہیں؟ لیکن یہ امر تو بہر حال ایک حقیقت ہے کہ سود اور سودی احکامات و قوانین آج بھی پاکستان میں رائج ہیں۔ نیز یہ بات بھی کسی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت پر لگائی گئی اس پابندی کا اصل

فائدہ پاکستان کے حکمران طبقے کو پہنچتا ہے، جو اس ذریعے سے اپنی مالی بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے، اپنی حرص وطمع پوری کرنے اور اپنے داخلی وخارجی لین دین کو مکمل تحفظ دینے کا متمنی ہے۔

(ب) وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل میں پائی جانے والی خامیاں

دفعہ ۲۰۳C میں وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل پر بات کی گئی ہے[۱۱]۔ ذیل میں اس دفعہ کے مندرجات پر اٹھنے والے اعتراض درج کئے جارہے ہیں:

(۱) اس دفعہ کی شق ۳ اور شق ۳ الف میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں کی اہلیت پر بات کی گئی ہے اور شرائطِ اہلیت میں ''عادل'' (پابندِ شرع) ہونے کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ اس شرط پر تو بلا اختلاف تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔ پس ایک تو ججوں کے تعین میں ہی شریعت کی عائد کردہ شروط کی مخالفت کی گئی ہے، اور پھر اس بات کا اندازہ کرنا تو زیادہ مشکل نہیں کہ جب غیر عادل ججوں کو عدالت میں شامل کرکے انہیں قوانین کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا جائزہ لینے پر مامور کیا جائے گا تو اس سے کس قدر بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسی دفعہ کی شق ۲ نے شرعی عدالت کے ججوں اور چیف جسٹس کے تعین کا اختیار صدرِ مملکت کو تفویض کیا ہے۔ پس جب مشرف وزرداری جیسے لوگ شرعی عدالتوں کے جج چنیں گے (جبکہ جج بننے کے لئے 'عادل' ہونا بھی لازم نہ ہو) تو ہر شخص خود ہی سوچ سکتا ہے کہ ایسی ''شرعی عدالت'' کیسے ظلم وفساد کا باعث بنے گی؟

(۲) اسی دفعہ کی شق ۴ ب میں صدرِ مملکت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ججوں کے تعین کی شروط مقرر کرے، یا جج کو کوئی دوسرا منصب سونپ دے، یا منصبِ قضاء کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر ذمہ داریاں بھی اس کے حوالے کردے۔ اس شق پر میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ جب صدرِ پاکستان کو...... مشرف وزرداری جیسے دین سے جاہل لوگوں کو...... شرعی عدالت سے متعلق اس قسم کے وسیع اختیارات دے دیئے جائیں تو کیا یہ عدالت محض ایک مذاق نہیں بن جائے گی؟ نیز اس شق پر تفصیلی تبصرے سے میں اس لئے بھی گریز کروں گا کہ اس کتاب میں میرے پیشِ نظر محض دستور میں موجود بنیادی شرعی مخالفتوں پر توجہ دلانا ہے، وگرنہ اگر میں ان حیلہ بازیوں کی تفصیل میں جاؤں تو یہ کتاب انتہائی ضخیم ہو جائے۔

(۳) اسی دفعہ کی شق ۷ وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں سے اس بات کا مطالبہ کرتی

ہے کہ وہ اپنے منصب پر فائز ہونے سے پہلے صدرِ مملکت یا اس کے نمائندے کے سامنے حلف اٹھائیں[۱۲]۔اس حلف میں نہ تو شریعت کا ذکر ہے، نہ ہی قرآن وسنت کا، بلکہ جج اور چیف جسٹس صرف اس بات پر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پاکستانی قانون کے مطابق ادا کریں گے۔اس حلف میں مندرجہ ذیل نمایاں خرابیاں پائی جاتی ہیں:

اولاً، کوئی مسلمان کسی ایسے قانون کی پابندی کا حلف کیسے اٹھا سکتا ہے جو شرعی مخالفتوں سے بھرا پڑا ہے؟ کیا شرعی عدالت اسی لیے نہیں بنائی گئی کہ قانون کو شرعی مخالفتوں سے پاک کیا جائے؟ پس یہ حلف اٹھانا شرعاً حرام ہے۔

ثانیاً، یہ حلف خود بھی ایک تضاد کا مظہر ہے۔کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ ایک جج سے قانون کی تصحیح ودرستی کا مطالبہ بھی کیا جائے اور اسے اسی قانون کا پابند بھی بنا دیا جائے؟

(ج) وفاقی شرعی عدالت اور دیگر عدالتوں کے دائرہ کار مختلف ہونے کا نتیجہ

دفعہ ۲۰۳G کے مطابق سپریم کورٹ سمیت کوئی بھی عدالت یا ٹریبونل یہ حق نہیں رکھتی کہ وہ کسی ایسے معاملے کی نسبت کارروائی پر غور کرے یا اپنے اختیارات یا اختیارِ سماعت استعمال کرے جو وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار یا اختیارِ سماعت میں داخل ہو۔

پاکستانی عدالتوں نے اس دفعہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بینکوں کے قوانین پر کیے گئے اعتراضات کو رد کیا۔مثلاً منی چینجر کمپنی ایکٹ کی شق ''S-15''......جس میں ''مارک اَپ'' کے متعلق بات کی گئی ہے......کے خلاف اپیل کو رد کرتے ہوئے عدالتوں نے جو دلائل پیش کیے ان میں درج ذیل امور بھی شامل تھے:

(۱) مدعی کے لئے یہ مقدمہ وفاقی شرعی عدالت میں بھی لے جانا ممکن ہے۔[۱۳]

(۲) دستور کی دفعہ ۲۰۳G کے مطابق شرعی عدالت کے علاوہ کسی بھی عدالت کو یہ حق نہیں حاصل کہ وہ پاکستانی قوانین اور شرعی احکامات کے مابین تعارض کا جائزہ لے۔[۱۴]

......حالانکہ جن عدالتوں نے مذکورہ دلیل کی بنیاد پر ان قوانین کا جائزہ لینے سے انکار کیا ان کا فرض بنتا تھا کہ بذاتِ خود اس مقدمے کو شرعی عدالت کی طرف بھیجیں اور سودی معاملات کی اجازت دینے اور شرعی احکامات سے بھاگنے کے بجائے اپنے فیصلے کو شرعی عدالت کا فیصلہ آنے تک مؤخر کریں، کیونکہ یہ

مقدمہ محض مدعی کے ذاتی مسئلے تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس میں کرنسیوں کے تبادلے کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک عمومی اور اصولی سوال اٹھایا گیا تھا۔

یہاں میں آپ کی توجہ سابقہ صفحات میں مذکور کراچی ہائی کورٹ کے اس فیصلے کی طرف بھی مبذول کرانا چاہوں گا جس میں جج نے یہ کہا تھا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کے شریعت سے موافق یا متصادم ہونے کا جائزہ لیں [۱۵]۔ اسی طرح ۱۴ جنوری ۱۹۹۲ کو صادر کردہ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل پینل کا وہ فیصلہ بھی ذہن نشین رہے جہاں ......صدرِ مملکت کی طرف سے سزائے موت کے احکامات میں تبدیلی کے خلاف مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے...... یہ کہا گیا تھا کہ شرعی عدالت کے ساتھ ساتھ تمام ہائی کورٹ بھی اپنے دائرۂ اختیار میں پاکستانی قوانین وشریعت کے تعارض کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

(۳) یہ دلیل بھی اختیار کی گئی کہ ماضی میں ہونے والے منی چینجنگ کے ان معاملات کا اب جائزہ لینا ممکن نہیں، کیونکہ عدالتی فیصلہ تو مستقبل کے لئے مؤثر ہوتا ہے۔ پس جو معاملات اس وقت وقوع پذیر ہوئے ہوں جب پاکستانی قانون میں انہیں جرم نہیں قرار دیا گیا تھا، تو ان پر تو عدالتی فیصلے اثر انداز نہیں ہوتے۔ [۱۶]

ہم دوسرے باب کی دوسری فصل میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ دستورِ پاکستان کا یہ اصول خلافِ شریعت ہے اور اسی اصول کا شاطرانہ استعمال کرتے ہوئے پاکستان میں آج تک سودی معاملات کو برقرار رکھا گیا ہے۔

زیرِ بحث مقدمے میں بھی دو فریق جج کے سامنے حاضر ہیں جن میں سے ایک اپنے شرعی حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن جج شرعی مخالفت کا ارتکاب کرنے والے فریق کے حق میں فیصلہ سناتا ہے اور یہ دلیل دیتا ہے کہ جب تک کسی شرعی مخالفت کو قانوناً جرم نہ قرار دے دیا جائے اس وقت تک اس کا ارتکاب جائز اور حلال ہوتا ہے۔ اب خود ہی بتایئے کہ کیا اس جج کو ''جہالت'' کا عذر دیا جاسکتا ہے؟ کیا اسے نہیں پتہ کہ قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی سود کو حرام قرار دے دیا تھا؟ کیا ایک جاہلی اصول کی تطبیق کے ذریعے شرعی مخالفتوں کو جواز بخشنے والے اس جج کو محض اس بنیاد پر معافی مل سکتی ہے کہ یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ شریعت کو حاصل ہے؟؟

الغرض، یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاں ایک طرف پاکستان کی تمام عدالتیں اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ سودی لین دین اصولاً خلافِ شرع ہے، وہیں انہی سب عدالتوں نے مختلف حیلے بہانوں سے سودی لین دین کو عملاً جواز بخشا ہے اور سود کو باطل قرار دینے والے قوانین بھی معطل کر رکھے ہیں۔[۱۷]

(د) دیگر عدالتوں کی نسبت وفاقی شرعی عدالت کی کمتر حیثیت

دفعہ ۲۰۳H کہتی ہے کہ کسی عدالت میں چلنے والی قانونی کارروائی کو اس بنیاد پر مؤخر یا معطل نہیں کیا جاسکتا کہ وہاں زیرِ بحث مقدمے کا تعلق کسی ایسے قانون سے ہے جس کی شرعی حیثیت کے حوالے سے شرعی عدالت میں بھی اعتراض اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ نہ صرف اس مقدمے کی سماعت قانون کے مطابق جاری رہے گی بلکہ رائج الوقت قانون ہی کی روشنی میں مقدمے کا فیصلہ بھی سنادیا جائے گا۔

اسی طرح نہ تو شرعی عدالت اور نہ ہی سپریم کورٹ یہ اختیار رکھتی ہے کہ شرعی عدالت کے دائرہ کار میں شامل امور سے متعلق کوئی مقدمات اگر دیگر عدالتوں میں جاری ہوں تو ان کے حوالے سے کوئی ہدایات یا عبوری حکم صادر کر سکے۔[۱۸]

یعنی خود پاکستانی دستور اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ پاکستان میں دو قسم کے عدالتی نظام قائم ہیں۔ ایک تو وہ اصلی اور غالب نظام ہے جو سیکولر ہے اور شرعی عدالت جس میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی۔ دوسرا ایک تابع، کمزور اور کمتر نظام ہے جو شرعی عدالت کی صورت میں جاری ہے۔ گو کہ بظاہر یہ شرعی عدالت اس لئے تشکیل دی گئی تھی کہ پاکستانی قوانین کو شریعت کے موافق بنایا جائے، لیکن اس کی تشکیل کو پینتیس سال گزر جانے کے باوجود بھی پاکستان میں غیر شرعی قوانین مسلسل بڑھتے اور پھیلتے چلے جارہے ہیں۔

ایک جانب تو شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کو دیگر عدالتوں میں چلنے والے ایسے مقدمات میں مداخلت سے روکا گیا ہے جہاں شرعی عدالت کے دائرۂ کار میں شامل امور زیرِ بحث ہوں، جبکہ دوسری جانب دستور کی دفعہ ۱۸۶الف سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیتی ہے کہ اگر وہ مصلحت سمجھے تو انصاف کے تقاضے پورا کرنے کی خاطر کسی بھی ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو کسی دوسرے ہائی کورٹ میں منتقل کر سکتی ہے۔[۱۹]

یعنی اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے دستور کے مطابق سپریم کورٹ اگر مصلحت سمجھے تو ایک ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری ہائی کورٹ میں تو منتقل کر سکتی ہے، لیکن اسے اس بنیاد پر کسی مقدمے کی

کارروائی رکوانے کا اختیار نہیں کہ مقدمہ ایک خلافِ شرع قانون یا شرعاً متنازعہ قانون کے مطابق چل رہا ہے۔اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے عدالتی نظام میں وفاقی شرعی عدالت کو ایک کمتر وزیردست حیثیت حاصل ہے۔

ایک شبہہ اوراس کا جواب

اس اعتراض کے جواب میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر قوانین کے شرعاً متنازعہ ہونے کی بنیاد پر عدالتی کارروائیاں روکی جائیں تو پھر عدالتی نظام ہی معطل ہوکر رہ جائے گا اور لوگ اس چیز کو عدالتی کارروائیوں میں خلل ڈالنے کا ذریعہ بنالیں گے۔

اس شبہہ کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ:

اولاً: یہ اعتراض اس وقت کیوں نہیں کیا گیا جب پاکستانی دستور نے سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیا کہ وہ مصلحتِ انصاف کے پیشِ نظر کسی ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری ہائی کورٹ میں بھیج سکتی ہے؟

ثانیاً: ریاست پاکستان کا اصل مسئلہ یہی ہے۔شرعی عدالت کو اپنے ناقص وعاجز اختیارات کے ساتھ وجود میں آئے پینتیس سال گذر چکے ہیں۔اگر پاکستانی حکام واقعتاً اسلامی قوانین کے نفاذ میں مخلص ہوتے تو اتنے عرصے میں وفاقی شرعی عدالت کی سفارشات کی بنیاد پر قوانینِ پاکستان پر نظرِ ثانی اوران کی تصحیح ہوچکی ہوتی۔لیکن حکمران طبقہ تو یہی چاہتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو ایک غیر فعال نمائشی ادارہ بنا کر رکھیں جس کا واحد مقصد یہ ہو کہ اس عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی وشرعی ہونے کی دلیل کے طور پہ پیش کیا جاتا رہے۔

(ہ) بہت سے احکامات کو شرعی عدالت سے بالاتر قانونی تحفظ حاصل ہے

گذشتہ صفحات میں ہم ان دستوری دفعات پر تفصیلاً بحث کر چکے ہیں جو بہت سے تصرفات، اوامر اور احکامات کو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں[۲۰]۔ نیز صدرِ پاکستان کو سزائیں معاف کرنے کا جو اختیار حاصل ہے[۲۱] اس پر بحث کے دوران بھی ہمارے سامنے ایسے بہت سے تصرفات، احکامات، قوانین، صدارتی فرامین اور قواعد وضوابط کی مثالیں گزری ہیں جنہیں کسی بھی شرعی وغیر شرعی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ساری بحث قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے لہٰذا یہاں محض اس کی سمت اشارہ کرنے پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

خلاصۂ کلام

اسی طرح وفاقی شرعی عدالت سے متعلقہ دفعات......جن پر ہم گزشتہ سطور میں بحث کر چکے ہیں...... کا جائزہ لینے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عدالت کے اختیارات انتہائی محدود ہیں، یہ دیگر ملکی عدالتوں کی نسبت کمتر اور زیردست ہے اور یہ پاکستانی نظام کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی قوت سے یکسر محروم ہے۔اسی طرح اس کے ججوں کے لئے بھی اہلیتِ قضاء کی شرعی شروط مقرر نہیں کی گئیں، نہ ہی اس کا جج بننے کا حلف شریعت کے مطابق ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ دستور کے مطابق صدرِ پاکستان شرعی عدالتوں کے ججوں کے ساتھ ہر قسم کے کھیل تماشے کرنے کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے کوئی شخص یہ ساری بحث پڑھ کر کہے کہ آپ نے وفاقی شرعی عدالت کے حوالے سے جو کچھ کہا ......کہ یہ ادارہ پاکستانی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے سے عاجز و قاصر ہے اور ملک کے عدالتی نظام میں بھی اسے زیردست حیثیت حاصل ہے...... یہ سب باتیں ٹھیک ہیں، لیکن یہ تو درست سمت کی جانب پہلا قدم ہے، پھر آپ کیوں اس پر اعتراض کرتے ہیں؟ اس شخص کو ہم جواباً کہیں گے کہ ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ یہ ادارہ بعض قوانین کے خلافِ شرع ہونے کی نشاندہی کر دے۔ ہمیں تو اعتراض اس بات پر ہے کہ:

(۱) وفاقی شرعی عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی ہونے کی دلیل کے طور پہ پیش کیا جائے۔

(۲) اسے حجت بنا کر کہا جائے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب لانے کی تمام کوششیں نظام کے اندر رہ کر اور دستور و قانون کی پابندی کرتے ہوئے ہی کی جانی چاہییں۔

(۳) اسے ان لوگوں کے خلاف دلیل بنایا جائے جو اسلام سے باغی اس نظام کے خلاف زبان و عمل سے برسرِ پیکار ہیں۔

اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے میں ایک مثال کے ذریعے اپنی بات سمجھانا چاہوں گا۔ پاکستان کی مثال ایک ایسے مریض کی سی ہے جسے سرطان جیسا موذی مرض لاحق ہو اور وہ مریض سخت تکلیف میں مبتلا ہو۔ ایسے میں ایک شخص اسے ڈسپرین کی گولی دے اور جب کوئی دوسرا شخص اس علاج پر اعتراض کرے تو

پہلا شخص کہے کہ تم مجھ پر تنقید کیوں کر رہے ہو جبکہ میں مریض کی تکلیف کم کرنے ہی کے لئے کوشاں ہوں؟ تو دوسرا شخص اسے کہتا ہو کہ مجھے تمہارے ڈسپرین دینے پر اعتراض نہیں، بلکہ اعتراض اس بات پر ہے کہ تمہارے خیال میں ڈسپرین دینے سے اس کی تکلیف دور ہو جائے گی یا سرطان جیسا مہلک مرض ٹھیک ہو جائے گا؛ اور یہ ناقص فہم رکھتے ہوئے الٹا تم مجھے ہی برا بھلا کہہ رہے ہو حالانکہ میرا مطالبہ تو صرف اتنا ہے کہ اس موذی مرض کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا اور یہ ٹھوس علاج بہرحال محنت اور جدوجہد مانگے گا۔ بس یہی فرق ہے ہمارے اور ان لوگوں کے موقف میں جو جزوی سی تبدیلیوں کے ذریعے پاکستانی نظام کا علاج کرنا چاہتے ہیں، جبکہ مہلک امراض اس نظام کی جڑوں تک اترے ہوئے ہیں۔

پانچویں فصل

دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام، دفعہ ۲۲۷ تا ۲۳۱

دستور کے حصہ نہم میں ''اسلامی احکام'' کے عنوان تلے کئی دفعات درج کی گئی ہیں جن پر ہم اس فصل میں تبصرہ کرنا چاہیں گے:

الف۔ دفعہ ۲۲۷

یہ اس حصے میں شامل اہم ترین دفعہ ہے جس میں درج ہے کہ:

''تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات کے موافق بنایا جائے گا......، اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو ان احکامات کے خلاف ہو''۔[۲۲]

اس دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے میں کہنا چاہوں گا کہ:

(ا) اس عبارت میں مستقبل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، یعنی یہ ایک وعدہ ہے...... ایک ایسا وعدہ جو اب تک وفا نہیں ہوسکا۔

۱۹۵۶ء کا دستور، جسے دوسری دستور ساز کمیٹی نے منظور کیا تھا، اس میں بھی ایسی ایک دفعہ وضع کی گئی تھی جو قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات سے متصادم ہر قسم کی قانون سازی سے روکتی تھی[۲۳]۔ پھر اسی دفعہ کے تقاضے پورے کرنے کی غرض سے ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا جس کے ذمے بعینہ اسی ذمہ داری کی انجام دہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ بیان کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ موجودہ قوانین کو شریعت کے موافق بنانا، اس کے لیے مراحل طے کرنا، پانچ سال کے اندر اندر دستور ساز کمیٹی کے سامنے اپنی سفارشات پیش کرنا، اور پھر کمیٹی کا...... ان کے مطالعے و جائزے کے بعد...... ان کے مطابق قانون سازی کرنا[۲۴]۔ لیکن سالہا سال بیت جانے کے باوجود بھی قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالنے اور خلافِ شرع قوانین کے خاتمے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

اسی طرح ۱۹۴۹ء میں منظور ہونے والی قراردادِ مقاصد، جو آئندہ تمام دساتیر کا دیباچہ قرار پائی، میں مذکور وعدے کا تذکرہ بھی ہم پہلے کرچکے ہیں۔ قراردادِ مقاصد میں درج ہے کہ:

''مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشا، جس طرح قرآنِ کریم اور سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں''۔

اسی طرح دفعہ ۳۱ ''اسلامی طرز زندگی'' میں کیا گیا وعدہ بھی گزر چکا جس میں درج ہے کہ:

''پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہو سکیں''۔

یہ دفعہ تقریباً اسی صورت میں ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی[۲۵]۔

اسی طرح دستور کی دفعہ ۳۸ میں یہ وعدہ کیا گیا کہ:

''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا''۔

یاد رہے کہ یہی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی[۲۶]۔

تو گویا کہ ساٹھ سال سے ہمارے ساتھ بار بار وعدے کئے جا رہے ہیں جن میں سے ایک بھی اب تک پورا نہیں ہو سکا۔ بلکہ اگر زیادہ وضاحت سے کہنے کی اجازت ہو تو ساٹھ سال سے پاکستان کے مسلمانوں کو دھوکے میں رکھا گیا ہے اور ان کے جذبات اور دینی حمیت سے مسلسل کھیلا جا رہا ہے۔ نیز یہ بھی ایک معلوم شدہ حقیقت ہے کہ جو شخص یہ کہے میں ایک ماہ بعد یا قریب ترین وقت میں اسلام قبول کرلوں گا، یا یوں کہے کہ ایک ہفتے بعد یا جونہی مجھے مناسب وقت ملا میں نماز پڑھنے لگوں گا......تو ایسے شخص کو مسلمان یا نمازی نہیں سمجھا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ عنقریب میں شریعت کی حاکمیت قائم کردوں گا، اسے اس وقت تک شریعت قائم کرنے والا اور اس کا تابع فرمان نہیں مانا جائے گا جب تک وہ عملاً شریعت کی حاکمیت قائم نہ کرلے۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النسآء: ۶۵)

''تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو

فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں، تب تک یہ مؤمن نہیں ہو سکتے''۔

(۲) اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ دستور لکھنے والوں نے انتہائی بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دفعہ ۲۲۷ میں صرف ''قوانین'' کا ذکر کیا ہے اور ''دستور'' کے حوالے سے ایک حرف بھی نہیں لکھا، حالانکہ خود دستور بھی اسلام مخالف نصوص پر مشتمل ہے، جیسا کہ پاکستانی عدالتیں بھی بعض دستوری دفعات کے حوالے سے اس امر کا اقرار کر چکی ہیں۔ گویا دفعہ ۲۲۷ دستور میں پائے جانے والے خلافِ شرع امور پر گرفت کرنے کا اختیار نہیں رکھتی، حالانکہ پاکستانی قوانین میں پائے جانے والے شرعی انحرافات کی جڑ تو خود دستور ہے۔ لہٰذا یہ دفعہ بھی دستورِ پاکستان میں موجود باقی جھوٹے وعدوں کی طرح کا ایک وعدہ ہے، خود دستور ہی جس کی گرفت سے مستثنیٰ ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دستوری دفعہ کے ذریعے پاکستانی نظام اپنی موجودہ ہیئت سے بدل کر حاکمیتِ شریعت پر قائم ایک خالص اسلامی نظام بن جائے؟

ب۔ اسلامی نظریاتی کونسل [۲۷]

اس فصل کی باقی دفعات (۲۲۸ تا ۲۳۱) میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اور ذمہ داریوں پر بحث کی گئی ہے۔ اس کونسل کے ارکان کا تعین صدرِ مملکت کرتا ہے۔ دفعہ ۲۳۰ اس کونسل کی ذمہ داریوں پر بحث کرتی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: [۲۸]

☆ یہ کونسل وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں کے سامنے سفارشات پیش کرے گی جن میں ایسے ذرائع اور وسائل تجویز کیے جائیں گے جو پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنا سکیں۔

یہ وہی وعدہ ہے جو دفعہ ۳۱ میں درج ہے، اور اسی سے مشابہ الفاظ میں یہ وعدہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھا۔ [۲۹]

☆ کونسل کی ذمہ داری ہے کہ جب کسی مجوزہ قانون کے اسلامی تعلیمات کے موافق یا مخالف ہونے کا سوال اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کونسل وفاقی اسمبلی، صوبائی اسمبلیوں، صدرِ مملکت یا گورنر کو اس بارے میں مشورہ دے۔

☆ کونسل کی ذمہ داری ہے کہ تمام رائج الوقت قوانین کا جائزہ لے کر ایسے وسائل تجویز کرے جن کے ذریعے انہیں شریعت کے موافق بنایا جاسکے، اور وہ مراحل بھی مقرر کرے جن میں ان تجاویز پر عمل درآمد ممکن ہوسکے۔

☆ ایسی اسلامی تعلیمات جنہیں قوانین کی صورت میں نافذ کیا جاسکتا ہے، انہیں موزوں شکل میں پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی رہنمائی کے لئے پیش کرے۔

☆ کونسل اپنے آغاز کے بعد سات سال کے اندر اندر اپنی حتمی رپورٹ پیش کرنے کی پابند ہوگی، البتہ ساتھ ساتھ عبوری رپورٹ بھی سالانہ بنیادوں پر پیش کرے گی۔ پھر اس حتمی رپورٹ کے پیش کئے جانے کے بعد چھ ماہ کے اندر وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں میں اس پر بحث کی جائے گی اور پھر دو سال کی مدت میں اس رپورٹ کے مجوزہ قوانین کو منظور کیا جائے گا۔

''آئندہ'' اور ''عنقریب'' کے اس حساب کے مطابق بھی ضروری تھا کہ ۱۹۸۱ء تک پاکستان میں اسلامی شریعت رائج ہوجاتی!

یہاں ہم اپنے معزز اور اصحابِ فہم قارئین کے سامنے یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ جو مسودۂ دستور ۱۹۴۹ء میں پہلی دستور ساز کمیٹی نے تیار کیا تھا اس میں بھی یہ بات درج تھی کہ علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی تاکہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون سازی کی جاسکے۔ ۱۹۵۶ء میں دوسری دستور ساز کمیٹی سے منظور شدہ دستور میں بھی ایک ایسی دفعہ رکھی گئی تھی جو قرآن وسنت سے متصادم قانون سازی سے روکتی تھی [۳۰] اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے بھی ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں علماء کی کمیٹی اور اس کمیشن کو ''اسلامی مشاورتی کونسل'' اور ''ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی'' سے تبدیل کردیا گیا۔ اور پھر حالیہ دستور میں اس کی جگہ ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نے لے لی۔ [۳۱]

نیز یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ ۱۹۵۶ء میں منظور شدہ دستور نے جو کمیشن تشکیل دیا تھا اس کی ذمہ داری بھی وہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ میں مذکور ہے، یعنی یہ کہ یہ کمیشن رائج الوقت قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالے گا، اس عمل کے مختلف مراحل طے کرے گا، پانچ سال کی مدت میں اسمبلی کو رپورٹ پیش کرے گا اور پھر اس کا جائزہ لینے کے بعد اسمبلی اس کے مطابق قوانین صادر کرے گی۔ [۳۲]

گویا ایک جانب تو ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نامی ایک ایسا بے بس سا ادارہ ہے جو 'سفارش' و

'درخواست' کرنے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں رکھتا؛ اور دوسری جانب پاکستان پر مسلط وہ مفسد سیاسی طبقہ ہے جو قیامِ پاکستان کے بعد سے آج تک جھوٹے وعدوں کی ایک اکتا دینے والی تکرار کرتا چلا آ رہا ہے اور اس سرزمین کے مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل کر آج تک کرسی پر قابض ہے۔ رہی بات نفاذِ شریعت کی، تو اس کے لیے پہلے ایک جھوٹے وعدے کا راگ الاپا جاتا ہے اور جب عوام اسے سن سن کر تھک جاتے ہیں تو انہیں کسی دوسرے خوشنما سراب کے پیچھے دوڑایا جاتا ہے...... اور یہی سلسلۂ مکر و فریب آج تک جاری ہے۔

یہاں مجھے ایک مشہور لطیفہ یاد آ رہا ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں مولانا بجلی گھر نے پشاور میں کہا تھا کہ:
''اگر شریعت کراچی سے رکشے میں بیٹھ کر آتی تو بھی کافی مدت پہلے ہم تک پہنچ چکی ہوتی''۔

حواشی

۱۔ اصل عبارت یہ ہے:

Islamic way of life
31. (1) Steps shall be taken to enable the Muslims of Pakistan, individually and collectively, to order their lives in accordance with the fundamental principles and basic concepts of Islam and to provide facilities whereby they may be enabled to understand the meaning of life according to the Holy Quran and Sunnah.
(2) The State shall endeavour, as respects the Muslims of Pakistan,-
(a) to make the teaching of the Holy Quran and Islamiat compulsory, to encourage and facilitate the learning of Arabic language and to secure correct and exact printing and publishing of the Holy Quran;
(b) to promote unity and the observance of the Islamic moral standards; and
(c) to secure the proper organisation of zakat [ushr,] auqaf and mosques. [PART II Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 31].

۲۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY, Articles 29- 40 p: 109.

۳۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY P: 108.

۴۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

۵۔ مصری دستور کی دفعہ۲ میں بھی اس سے ملتی جلتی عبارت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ”شریعت اسلامی کے مبادی ہی قانون سازی کا اساسی مصدر ہوں گے“ حالانکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ ”شریعت اسلامی کے احکام ہی قانون سازی کا واحد مصدر ہوں گے“۔

۶۔ اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people
38. The State shall-
…………………….
(f) eliminate riba as early as possible. [PART II, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 38].

۷۔
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

۸۔ باب دوم: فصل دوم، دوسرا تناقض، دفعہ ۱۲۷الف

۹۔ اصل عبارت یوں ہے:

203B. Definitions
203B. In this Chapter, unless there is anything repugnant in the subject or context,-
……………………..
(c) "law" includes any custom or usage having the force of law but does not include the Constitution, Muslim personal law, any law relating to the procedure of any court or

tribunal or, until the expiration of ten years from the commencement of this Chapter, any fiscal law or any law relating to the levy and collection of taxes and fees or banking or insurance practice and procedure [PART VII The Judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203B].

۱۰ اصل عبارت یوں ہے:

Original Jurisdiction of Supreme Court
184. ……………………….
(3) Without prejudice to the provisions of Article 199, the Supreme Court shall, if it considers that a question of public importance with reference to the enforcement of any of the Fundamental Rights conferred by Chapter 1 of Part II is involved, have the power to make an order of the nature mentioned in the said Article. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 184].

۱۱ اصل عبارت یوں ہے:

203C. The Federal Shariat Court
203C. ……………..
(2) The Court shall consist of not more than eight Muslim Judges, including the Chief Justice, to be appointed by the President.
(3) The Chief Justice shall be a person who is, or has been, or is qualified to be, a Judge of the Supreme Court or who is or has been a permanent Judge of a High Court.
(3A) Of the Judges, not more than four shall be persons each one of whom is, or has been, or is qualified to be, a Judge of a High Court and not more than three shall be Ulema who are well-versed in Islamic law.
……………………..
(4B) The President may, at any time, by order in writing,-
(a) modify the term of appointment of a Judge;
(b) assign to a Judge any other office ; and
(c) require a Judge to perform such other functions as the President may deem fit; and pass such other order as he may consider appropriate.
…………………….
(7) Before entering upon office, the Chief Justice and a Judge shall make before the President or a person nominated by him oath in the form set out in the Third Schedule. [PART VII the judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203c].

۱۲ اس حلف کی اصل عبارت یہ ہے:

1CHIEF JUSTICE] OR 3[JUDGE OF THE
FEDERAL SHARIAT COURT
[Article 203C (7)]
(In the name of Allah, the most Beneficent, the most Merciful.)
I,________________________________, do solemnly swear that as the Chief Justice (or a Judge) of the Federal Shariat Court, I will discharge my duties, and perform my functions, honestly, to the best of my ability and faithfully, in accordance with law;
And that I will not allow my personal interest to influence my official conduct or my official decisions.
May Allah Almighty help and guide me (A'meen).

۱۳ 2001 CLC 158

۱۴ 2001 MLD 577, 2001 YLR 1135, 2001 YLR 38, 2001 MLD 1996

۱۵؎ محمد حسین کیخلاف حبیب بینک لمیٹڈ کا مقدمہ (PLD 1987 Karachi 612)

۱۶؎ 2001 CLC 158

۱۷؎

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 203G p: 354 & 355.

۱۸؎ اصل عبارت یوں ہے:

Pending proceedings to continue, etc.
203H. (1) Subject to clause (2) nothing in this Chapter shall be deemed to require any proceedings pending in any court or tribunal immediately before the commencement of this Chapter or initiated after such commencement, to be adjourned or stayed by reason only of a petition having been made to the Court for a decision as to whether or not a law or provision of law relevant to the decision of the point in issue in such proceedings is repugnant to the Injunctions of Islam; and all such proceedings shall continue, and the point in issue therein shall be decided, in accordance with the law for the time being in force.

………………

(3) Neither the Court nor the Supreme Court shall in the exercise of its jurisdiction under this Chapter have power to grant an injunction or make any interim order in relation to any proceedings pending in any other court or tribunal. [PART VII the judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203H].

۱۹؎ اصل عبارت یوں ہے:

Power of Supreme Court to transfer cases
186A. The Supreme Court may, if it considers it expedient to do so in the interest of justice, transfer any case, appeal or other proceedings pending before any High Court to any other High Court. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 186A].

۲۰؎ باب دوم: فصل دوم: دوسرا تناقض

۲۱؎ باب دوم: فصل دوم: تیسرا تناقض

۲۲؎ اصل عبارت یہ ہے:

227. Provisions relating to the Holy Quran and Sunnah
227. (1) All existing laws shall be brought in conformity with the Injunctions of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah, in this part referred to as the Injunctions of Islam, and no law shall be enacted which is repugnant to such Injunctions.
1[Explanation.-In the application of this clause to the personal law of any Muslim sect, the expression "Quran and Sunnah" shall mean the Quran and Sunnah as interpreted by the sect.]
(2) Effect shall be given to the provisions of clause (1) only in the manner provided in this Part.
(3) Nothing in this Part shall affect the personal laws of non-Muslim citizens or their status as citizens. [PART IX Islamic Provisions, Article 227].

۲۳؎ دستورِ ۱۹۵۶ء، دفعہ ۱۹۳

۲۴؎

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965

constitution p: 31.

۲۵

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

۲۶

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

۲۷ اصل نام یہ ہے: Council of Islamic Ideology

۲۸ اصل عبارت یوں ہے:

Functions of the Islamic Council

230. (1) The functions of the Islamic Council shall be-

(a) to make recommendations to Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Provincial Assemblies as to the ways and means of enabling and encouraging the Muslims of Pakistan to order their lives individually and collectively in all respects in accordance with the principles and concepts of Islam as enunciated in the Holy Quran and Sunnah;

(b) to advise a House, a Provincial Assembly, the President or a Governor on any question referred to the Council as to whether proposed law is or is not repugnant to the Injunctions of Islam;

(c) to make recommendations as to the measures for bringing existing laws into conformity with the Injunctions of Islam and the stages by which such measures should be brought into effect; and

(d) to compile in a suitable form, for the guidance of Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Provincial Assemblies, such Injunctions of Islam as can be given legislative effect.

(2) When, under Article 299, a question is referred by a House, a Provincial Assembly, the President or a Governor to the Islamic Council, the Council shall, within fifteen days thereof, inform the House, the Assembly, the President or the Governor, as the case may be, of the period within which the Council expects to be able to furnish that advice.

(3) Where a House, a Provincial Assembly, the President or the Governor, as the case may be, considers that, in the public interest, the making of the proposed law in relation to which the question arose should not be postponed until the advice of the Islamic Council is furnished, the law may be made before the advice is furnished :

Provided that, where a law is referred for advice to the Islamic Council and the Council advises that the law is repugnant to the Injunctions of Islam, the House or, as the case may be, the Provincial Assembly, the President or the Governor shall reconsider the law so made.

(4) The Islamic Council shall submit its final report within seven years of its appointment, and shall submit an annual interim report. The report, whether interim or final, shall be laid for discussion before both Houses and each Provincial Assembly within six months of its receipt, and Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Assembly, after considering the report, shall enact laws in respect thereof within a period of two years of the final report. [PART IX Islamic Provisions, Article 230].

۲۹

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

۳۰ دفعہ ۱۹۳، دستور ۱۹۵۶ء

۳۱؎

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 228 p: 385.

۳۲؎

THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

اختتامیہ

میری خواہش ہے کہ کتاب کے اختتام پر چند اہم امور قارئینِ کرام کے گوش گزار کردوں:

ا۔ پاکستانی ریاست و دستور، تاریخ کے آئینے میں

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بھی اسی المیہ سے دوچار ہوئے جس سے عصرِ حاضر میں دیگر بہت سے علاقوں کے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔ ''المیہ'' سے میری مراد یہ ہے کہ قربانیاں تو ہر جگہ عامۃ المسلمین نے دیں، لیکن ان قربانیوں کے ثمرات کوئی اور لے اڑا۔ قربانیوں کے ایک طویل دور کے بعد جب بھی زمامِ اقتدار سنبھالنے کا مرحلہ آیا تو قیادت پر ایسے طبقات قابض ہو گئے جو امت کے عقائد، امنگوں اور خوابوں میں ان کے شریک نہ تھے۔ اس بدطینت طبقے نے امت کے ساتھ قدم قدم پر وعدہ خلافی کی اور امت کی قربانیوں سے صریح خیانت کی۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ کی برپا کردہ تحریکِ مجاہدین کمزور پڑ جانے کے بعد شیخ الہند اور سید حسین احمد مدنی رحمہما اللہ نے از سرِ نو برطانیہ کے خلاف جہادی تحریک کی بنیادیں ڈالیں، لیکن سلطنتِ عثمانیہ سے مدد کے حصول میں ناکامی اور سقوطِ خلافت کے سبب یہ تحریک بھی ناکامی سے دوچار ہوئی اور یہ دونوں حضرات مالٹا میں اسیر ہو گئے۔ پھر ایک مختصر وقفے کے بعد ہند کے مسلمانوں میں ایک عوامی تحریک اٹھی جس نے ہندوؤں (اور انگریزوں) کے ظلم و جبر سے خلاصی کے لئے ایک الگ، آزاد خطۂ زمین کا مطالبہ کیا۔ لیکن دینی مزاج کی حامل اس عوامی تحریکِ آزادی میں کئی ایسے عناصر بھی شامل ہو گئے جو اپنے عقائد و افکار میں عامۃ المسلمین سے بہت مختلف تھے۔

ان عناصر میں انگریزی ثقافت کا تربیت یافتہ اور فرنگی تہذیب کا دلدادہ ایک طبقہ بھی شامل تھا۔ اس طبقے کی ذہنی مرعوبیت کے پیچھے بھی کئی عوامل کارفرما تھے:

(الف) مسلمانوں کی عسکری اور جہادی تحریکیں بظاہر ناکام ہو چکی تھیں، اور یہ تو انسانی فطرت ہے کہ وہ طاقت اور صاحبِ طاقت سے متاثر ہوتا ہے۔

(ب) اس طبقے کی پرورش مغربی نظامِ تعلیم کے تحت ہوئی تھی اور انسان اسی طرزِ زندگی کا خوگر ہوتا ہے جس پر اس کی تربیت ہوئی ہو۔

(ج) عالمِ اسلام سیاسی، اجتماعی اور علمی اعتبار سے شدید بگاڑ کا شکار تھا۔ ظلم و جبر اور خودغرضی عام

ہو چکی تھی، اختیار و اقتدار زور و زبردستی سے غصب کیا جاتا تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض مٹتے جا رہے تھے اور منافقت، مداہنت، چاپلوسی، بے جا طرف داری اور نا انصافی جیسے رذیل اوصاف پھیل چکے تھے۔ بہت سے علماء ایسی جامد تقلید اختیار کر چکے تھے کہ امراضِ ملت کی دوا ڈھونڈنے کی بجائے حالات سے لاتعلقی اختیار کر لینا ہی ان کا شیوہ بن گیا تھا۔

(د) یہ طبقہ مغرب، بالخصوص انگریز کی اس جھوٹی دعوت پر ایمان لے آیا تھا کہ وہ آزادی، انصاف، مساوات اور مظلوموں کی مدد و نصرت کے علمبردار ہیں...... حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں مغربی ممالک سے زیادہ ظلم و فساد پھیلانے والا کوئی نہیں گزرا۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کر بیٹھے کہ مغرب کی ظاہری ترقی دین سے دوری اور دین کو محض کلیسا تک محدود کرنے کی مرہونِ منت ہے۔

مغربی عقائد و افکار کا حامل یہ طبقہ امت کو بھی مغربی تہذیب کا دلدادہ بنانے کے لئے مستقل کوشاں رہا، لیکن اسے مشکل یہ درپیش تھی کہ ہند کے مسلمانوں کی تحریکِ آزادی ایک خاص وصف کی حامل تھی جو اسے عالم اسلام میں برپا ہونے والی بہت سی دیگر تحاریک ہائے آزادی سے ممتاز کرتا ہے۔ اس تحریک کا تو بنیادی نعرہ ہی یہ تھا کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کی جائے جو مسلمانوں کی حرمات کی محافظ اور ان کے حقوق کی نگہبان ثابت ہو۔ پس مسلمانانِ ہند کے اس عمومی دینی مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ مغرب نواز طبقہ اپنے سیکولر عقائد اور مغربی تہذیب سے اپنی محبت و قربت چھپانے پر مجبور ہوا تا کہ مسلمانوں کی صفوں میں اس کے لئے کچھ جگہ بن سکے۔ یہی نہیں، بلکہ اس طبقے نے مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ان کے جذبات سے کھیلا اور طرح طرح کے خوشنما وعدے کر کے انہیں اپنے پیچھے چلایا، کبھی ایک سراب کی سمت دوڑایا اور کبھی دوسرے کی سمت، اور عملاً کتاب و سنت کی حکمرانی قائم کرنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کے عہد و پیماں باندھے۔

چنانچہ یہ بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ دستورِ پاکستان اور ریاستِ پاکستان کا وجود میں آنا بھی اسی کھیل تماشے کا تسلسل ہے، جس کی دلیل طلب کرنے کی بجائے پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈال لینی چاہیے کہ پاکستان کہاں سے چلا تھا اور کن کن مراحل سے گزرتا ہوا آج کہاں آن کھڑا ہے...... بلکہ یوں کہنا بہتر ہو گا کہ...... کس گڑھے میں جا گرا ہے؟ آج پاکستان کی حیثیت امریکی فوج اور امریکی خفیہ

ایجنسیوں کے لیے خدمات مہیا کرنے والی ایک کمپنی کی سی ہے۔ اس ملک کے قائدین اور سیاستدانوں کی باگ ڈور کا کُل مقصود یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے نام پر لڑی جانے والی امریکہ و مغرب کی اسلام دشمن صلیبی مہم میں باقیوں سے بڑھ کر امریکہ کا وفادار ثابت کر پائیں۔ امریکہ کی رضا کی خاطر آج دین وعقیدے اور نظریۂ پاکستان سمیت ہر شے قربان کی جا چکی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے اس حکمران طبقے نے نہ صرف نفاذِ اسلام کے جھوٹے وعدوں پر مشتمل ایک مغربی طرز کا دستور تشکیل دیا ہے، بلکہ اس دستور میں مرحلہ وار ایسی عبارتیں بھی شامل کروائی ہیں جو ان کی بے راہ روی اور فساد کو تحفظ دے سکیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ''رشوت'' پاکستان کے سیاسی معاملات میں ایک اہم ترین عامل بن چکی ہے۔ جب بھی کوئی نیا حکمران آتا ہے، تو ارکانِ پارلیمان اور سیاستدانوں کو مٹھی میں لینے کے لئے امت کا مال رشوت کے طور پر بے دردی سے لٹاتا ہے۔ پھر انہی عوامی نمائندوں سے ایسی دستوری ترامیم منظور کرواتا ہے جو اسے ہر قسم کی جواب دہی اور محاسبے سے تحفظ فراہم کرتی ہیں۔

گزشتہ برسوں میں ساری دنیا نے ہی پاکستانی سیاسی اکھاڑے کے تماشے دیکھے کہ کس طرح پرویز مشرف نے فوجی انقلاب کے ذریعے حکومت پر قبضہ کیا اور اس بات کا دعویٰ کیا کہ جلد ہی ملک کو رشوت، فساد اور بدعنوانی سے پاک کر کے ملکی خزانے سے لوٹا ہوا مال سیاستدانوں سے واپس لے گا۔ لیکن چند ہی سال بعد اس نے ایسے لوگوں کے ساتھ سیاسی معاہدے کر لئے جنہیں وہ خود کل تک 'چور' کہتا تھا اور پاکستان و یورپ میں ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرتا پھرتا تھا۔ ان میں سرِ فہرست بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری تھے۔ زرداری کو پرویز ہی نے جیل سے رہا کیا اور اس عام معافی پر اعتراض کے جرم میں چیف جسٹس افتخار چوہدری کو معزول کر دیا۔ پھر دنیا کو یہ تماشہ بھی دیکھنے کو ملا کہ چوروں کا سردار...... کل کا ''مسٹر ٹین پرسنٹ''...... امریکہ کو راضی کر کے صدرِ پاکستان بن گیا، جبکہ اس بدنامِ زمانہ چور کی رہائی پر معترض ہونے والا چیف جسٹس معزول ہی رہا۔ البتہ اس رضا کے حصول کے لئے زرداری کو یہ عہد و پیمان پیشگی طور پر کرنے پڑے کہ وہ امریکہ کی اسلام مخالف جنگ میں اس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرے گا۔ ان چند مثالوں ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں قائم فاسد ریاستی نظام ہر قانون سے بالاتر ہے...... شرعی قانون تو دور کی بات، یہ نظام ملک میں رائج خود ساختہ (وضعی) قوانین کی گرفت سے بھی آزاد ہے۔

۲۔ کتاب پر اٹھنے والے ممکنہ شبہات اور ان کا جواب

زیرِ نظر کتاب پر دو بنیادی اشکالات کئے جا سکتے ہیں:

(۱) پاکستان کے آئینی و جمہوری نظام کے خلاف بغاوت دراصل عوام کی حکمرانی کے خلاف بغاوت ہے اور اس کی آڑ میں استبدادی نظام کے غلبے اور فردِ واحد کی حکمرانی کی سمت دعوت دینا مقصود ہے......اور درحقیقت یہ دین کے نام پر لوگوں کی قسمت، حقوق، اموال اور حرمات پر تسلط کی ایک مذموم کوشش ہے۔

(۲) صاحبِ کتاب کا مؤقف ہے کہ پاکستان کے قانونی و دستوری نظام میں اصولی اور مہلک خرابیاں پائی جاتی ہیں، لیکن پاکستان کی بہت سی دینی تحریکوں کے قائدین اور داعیانِ دین اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستانی نظام اصولی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے اور تمام تر بگاڑ نظام پر قابض حکمران طبقے کا پیدا کردہ ہے۔ یہ لوگ پاکستان کے حالات سے زیادہ آگاہ ہیں اور اصلاحِ احوال کے طریقۂ کار کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں......تو پھر مصنف ان سب حضرات کی رائے کو وزن کیوں نہیں دیتے اور اسے کیوں نہیں اپناتے؟ خصوصاً جبکہ پاکستانی نظام کو غیر شرعی قرار دینے کے نتیجے میں تشدد، تصادم اور فتنوں کی آگ بھڑک اُٹھنے کا امکان ہے جس سے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

شبہات کا جواب

(۱) پہلے شبہے کا جواب یہ ہے کہ ہم دین کے نام پر استبدادی نظام کے غلبے اور فردِ واحد کی حکمرانی کی دعوت نہیں دے رہے، بلکہ اسے بھی فساد کی ایک شکل اور خلافِ اسلام سمجھتے ہیں۔ ہم تو امت کو شوریٰ اور عدل وانصاف کے سنہرے شرعی اصولوں کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تقویٰ وعملِ صالح کے علاوہ کسی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کے قائل نہیں۔ ہماری دعوت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف دعوت ہے۔ ہماری تو خواہش ہے کہ حاکم ومحکوم، ادنیٰ واعلیٰ، قوی وکمزور، سب بلاتمیز وتفریق شریعت کے سامنے جھک جائیں، امت اپنے حکمران خود شرعی طریقۂ کار کے مطابق چنے اور پھر ان کا محاسبہ بھی اسی انداز میں کرے جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے سنہری دور میں ہوا کرتا تھا۔

البتہ ہمیں اندیشہ اس بات کا تھا کہ پاکستان کا حکمران طبقہ ہماری اس پاکیزہ دعوت کو قبول کرنے کے بجائے حاکمیتِ شریعت، اسلامی اخوت اور خلافتِ راشدہ کے احیاء کی کوششوں میں روڑے اٹکائے گا

اور قومی عصبیت، ہوائے نفس کی حاکمیت اور وطنی ریاست کی بقاء پر اصرار کرے گا......اور آج ہم اسی بات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

(۲) دوسرے شبہے کا جواب یہ ہے کہ:

(الف) اس کتاب میں کوئی ذاتی رائے نہیں پیش کی گئی بلکہ دستورِ پاکستان اور پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں ہی سے اس نظام کا اصولی اعتبار سے ایک منحرف و فاسد نظام ہونا ثابت کیا گیا ہے اور بہت سی مثالوں کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ پاکستانی دستور و قانون میں شرعی احکامات سے متصادم بہت سا مواد پایا جاتا ہے۔

(ب) کتاب میں بیان کردہ مؤقف کا سب سے بڑا ثبوت خود پاکستان کی عملی صورتِ حال ہے۔ ایک فاسد دستوری و قانونی نظام پر قائم یہ ریاست اپنے قیام کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی بد سے بدتر کی طرف گامزن ہے۔ خائنِ ملت فوجی اور سیاسی قائدین یکے بعد دیگرے اسی بہانے کے ساتھ اقتدار پر قابض ہوتے رہے ہیں کہ وہ ملکی سیاست سے بدعنوانی و رشوت ستانی کا خاتمہ کرنے اٹھے ہیں۔ لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہر بار وہی مکروہ کھیل دہرایا جاتا ہے......یعنی پہلے سرکاری خزانے سے بھاری رشوتیں دے دے کر سیاست دانوں کی وفاداریاں خریدی جاتی ہیں اور پھر ارکانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی آئینی ترمیم منظور کی جاتی ہے جس کے ذریعے حکمرانوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کو ہر قسم کی عدالتی کارروائی اور جوابدہی سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ یوں لوٹ مار اور فساد و بگاڑ کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کے خاتمے کے لئے جلد ہی کوئی دوسرا نجات دہندہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اس سب لوٹ مار کا منطقی نتیجہ یہی نکلا ہے کہ پاکستان اب ایک کرائے کا نوکر بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں سے بھی زیادہ پیسے ملیں، ریاستِ پاکستان اسی کو اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔ چنانچہ آج پاکستان صلیبی لشکروں کا خادم بن کر اپنے مسلمان پڑوسیوں کو، بلکہ اپنے آپ کو بھی تباہ کر رہا ہے......اور اس سب کے عوض حکمران طبقے کی جیبیں رشوتوں سے بھر رہی ہیں۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا ان سب حقائق سے انکار کرنا ممکن ہے؟ کیا ان میں کسی شک وشبہے کی گنجائش موجود ہے؟ کیا پاکستان اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف نہیں؟ کیا پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں مساجد و مدارس کو طلباء و طالبات سمیت ملیا

میٹ نہیں کیا گیا؟

(ج) اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ تمام تر بگاڑ و فساد کا سبب محض حکومت پر قابض حکمران طبقہ ہے، تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مدد نہیں کی تھی، حالانکہ وہ حکمران اِن پاکستانی حکمرانوں سے ہزار گنا بہتر تھے؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام زید بن علی رحمہ اللہ اور پھر محمد نفسِ زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم رحمہم اللہ کی مالی امداد نہیں کی تھی؟ خروج کی یہ تحریکیں تو ایسے حکمرانوں کے خلاف تھیں جو جہاد بھی کرتے تھے، نماز بھی قائم کرتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی عامل تھے، شریعت کی حاکمیت اور شرعی نظامِ قضاء بھی قائم کر رکھا تھا۔ ان کا قصور تو صرف یہ تھا کہ انہوں نے اختیارات پر ناجائز طور پہ قبضہ کر رکھا تھا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے...... لیکن اس کے باوجود بھی امام صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تائید و نصرت کی۔

پس اگر آپ کُلی طور پر ہماری موافقت نہ بھی کریں، تو اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے فقہی مؤقف کی درستی تسلیم کریں اور ان ظالم و فاجر لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیں جو دشمنانِ دین کے ساتھی بن کر ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے صادقین سے جا ملنے کا حکم دیا ہے، اہلِ حق کا ساتھی بن کر باطل پرستوں سے بھڑ جانے، نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دینے کی ہدایت کی ہے۔ پس قبائل میں برسرِ پیکار مجاہدین کی حمایت کرنا آپ کا شرعی فریضہ ہے۔ آخر یہی تو وہ فی سبیل اللہ مجاہدین ہیں جو نہ صرف امریکہ اور عالمی صلیبی طاقتوں کے مدِ مقابل ڈٹے ہوئے ہیں، بلکہ اس صلیبی اتحاد کے اساسی رکن...... پاکستان کی فوج کے مظالم بھی ثابت قدمی سے برداشت کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں شریعت کا کم سے کم تقاضا بھی یہ ہے کہ امریکہ کی وفادار اور اسلام سے غدار حکومتوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مخالفت نہ کی جائے۔

یہاں ہم آپ کو ایک مرتبہ پھر امام ابوبکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ کا وہ قول یاد دلاتے ہیں جس میں آپ حکمرانوں کو منکرات سے بزور روکنے پر اعتراض کرنے والوں پر نقد کرتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

”فإنهم أنكروا قتال الفئة الباغية و الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر

بالسلاح، و سموا الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر فتنة إذا احتيج فيه إلى حمل السلاح و قتال الفئة الباغية، مع ما قد سمعوا فيه من قول الله تعالى: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللهِ﴾ و ما يقتضيه اللفظ من وجوب قتالها بالسيف و غيره.

و زعموا مع ذلك أن السلطان لا ينكر عليه الظلم و الجور و قتل النفس التي حرم الله، و إنما ينكر على غير السلطان بالقول أو باليد بغير سلاح، فصاروا شرًّا على الأمة من أعدائها المخالفين لها؛ لأنهم أقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغية و عن الإنكار على السلطان الظلم و الجور.

حتى أدّى ذلك إلى تغلّب الفجار بل المجوس و أعداء الإسلام، حتى ذهبت الثغور، و شاع الظلم، و خربت البلاد، و ذهب الدين و الدنيا، وظهرت الزندقة و الغلو و مذاهب الثنوية و الخرّميّة و المَزدَكِيَّة، والذي جلب ذلك كله عليهم ترك الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر و الإنكار على السلطان الجائر، و الله المستعان".

''ان لوگوں نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو غلط کہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔ اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی فتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک بھی سن چکے ہیں: ﴿پس بغاوت کرنے والے گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾

یہ آیت صراحت کے ساتھ تلوار اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔

اسی طرح ان کا مؤقف ہے کہ حاکم اگر ظلم و جبر کرے اور لوگوں کو ناحق قتل کرے، تب بھی اسے ٹوکنا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے سوا دیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے گا، لیکن ان کے خلاف بھی یہ تلوار اٹھانے کے قائل نہیں۔ پس یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور

بادشاہوں کے ظلم و جبر پر انکار سے روک دیا ہے۔

ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق و فجار غالب آئے، مجوس اور دیگر دشمنانِ اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں، دین و دنیا لٹ گئے اور زندقہ، غلو اور مذاہبِ ثنویہ، خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے، واللہ المستعان'' [1]

۳۔ برصغیر میں غلبۂ اسلام کے لئے مطلوب چند عملی اقدامات

خطے کے حالات پر نگاہ ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب جنوبی ایشیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اسلام کو غلبہ نصیب ہو۔ چنانچہ ہم کتاب کے اختتام پر یہ کوشش کریں گے کہ اس منزل کو قریب لانے کے لئے چند عملی تجاویز قارئین کی نذر کرتے چلیں:

(الف) صحیح آگہی پیدا کرنا

صحیح آگہی پیدا کرنے سے یہاں دو باتیں مقصود ہیں:

اولاً، یہ کہ پاکستان میں بسنے والا ہر مسلمان اپنے گرد و پیش کے حالات کا درست فہم حاصل کرے اور گہرائی تک اتر کر معاملات کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے کی کوشش کرے۔

پاکستان کے ہر مسلمان کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ سرزمین اور اس کے مسلمان باسی آج ایک جدید صلیبی صہیونی جنگ کی زد میں ہیں، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر صلیبی صہیونی مہم کا حصہ ہے۔ انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ جس ریاست کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کہا جاتا ہے وہ کسی طور بھی اسلامی نہیں ہے، نہ تو اپنی نظریاتی اساس (یعنی دستور) کے اعتبار سے اور نہ ہی اپنے عملی تصرفات کے اعتبار سے۔

زیرِ نظر کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ پاکستان کے بنیادی دستوری و قانونی ڈھانچے کا بگاڑ واضح کیا جائے تاکہ اس شبہے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ ''پاکستان کا نظام بنیادی طور پر صحیح اصولوں پر قائم ہے، لیکن سارے بگاڑ کا سبب وہ حکمران طبقہ ہے جو ان اصولوں سے بغاوت کرتا ہے''۔ لہٰذا پاکستان میں اسلام کو غالب دیکھنے کے خواہش مند ہر فرد کو جان لینا چاہیے کہ ریاستِ پاکستان دوہرے

بگاڑ پر قائم ہے...... اصولی اعتبار سے بھی یہاں بگاڑ ہے اور عملی لحاظ سے بھی بگاڑ!

یہ حقیقت تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ بھی مانا جائے کہ انتخابات اور مروجہ سیاسی ذرائع کے ذریعے قیادت بدلنے سے پاکستان میں اصلاح ممکن نہیں۔ پہلے تو اس اساس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے جس پر ریاستِ پاکستان قائم ہے کیونکہ وہی اسلام سے متصادم ہے۔

لہٰذا سب سے پہلے تو یہ دعوت لے کر اٹھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اور دیگر تمام اسلامی سرزمینوں پر تنہا شریعت ہی کی حاکمیت قائم کی جائے اور یہ حاکمیت نا قابلِ تغیر و تبدل اور نا قابلِ نسخ و ابطال ہو۔ اس حاکمیت کو عوامی منظوری کی حاجت نہ ہو، بلکہ یہ اکثریت کی پسند و ناپسند اور ہر دستور و قانون سے بالاتر ہو۔ ہر وہ قانون اور فیصلہ جو اس سے متصادم ہو بالاصل باطل تصور کیا جائے۔ پھر اس حاکمیتِ اعلیٰ کو نظامِ سلطنت میں ایسے غیر متنازعہ اصول کی حیثیت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی ترمیم ممکن نہ ہو، بلکہ یہ اصول نظامِ سلطنت کے تمام شعبہ جات پر حاوی اور ہر قانونی و دستوری شق پر غالب ہو۔ حاکمیتِ شریعت کے اس الٰہی اصول کو یہ اعلیٰ و ارفع حیثیت دینے کے لئے کیا عملی اقدامات کرنا مناسب ہے...... اس کے لئے علمائے شریعت اور داعیانِ دین سے رہنمائی لینی چاہیے۔

اسی طرح مسلمانانِ پاکستان کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اسلام کا عملی نفاذ لادین، سیکولر اور حدودِ شرع سے آزاد لوگ کبھی نہیں کر سکتے۔ یہ فریضہ تو انہی لوگوں کے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے جو حقیقتاً اسلام، صالحیت، امانت اور تقویٰ کی صفات سے متصف ہوں۔ اللہ کے دین کا نفاذ تو ایک عبادت اور بھاری امانت ہے جس کی ادائیگی صرف ایسے افراد ہی کر سکتے ہیں جو مخلص اور متبعِ شرع ہوں۔ وہ جج حضرات جن کی تقرری کے لئے نہ تو اسلام شرط ہے، نہ ہی اتباعِ شریعت اور جو واضح طور پر انتشارِ فکری کا شکار ہیں...... بھلا انہیں پاکستان میں شریعت نافذ کرنے کی ذمہ داری کیسے سونپی جا سکتی ہے؟

اس مسئلے کی پیش بندی کے لئے ضروری ہے کہ دینی و شرعی علوم پڑھانے والے اداروں/مدارس میں ابھی سے ایسا نصاب تشکیل دیا جائے جس سے فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام قاضی، وکیل اور اسلامی قوانین کے ماہرین بن کر شرعی قضاء، شرعی وکالت، تفتیش و افتاء اور قضاء سے متعلق دیگر اہم خدمات سرانجام دے سکیں۔

پھر ہر صاحبِ بصیرت یہاں یہ سوال بھی اٹھائے گا کہ کیا یہ سب کچھ بہت بنیادی تبدیلی اور نہایت

انقلابی اقدامات اٹھائے بغیر بھی ممکن ہے؟

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی انسانی معاشروں اور اقوام میں بگاڑ جڑوں تک سرائیت کر جائے اور علاقوں کے طول و عرض میں فساد پھیل جائے تو بالعموم کسی بہت بڑی انقلابی تحریک کے بغیر اصلاحِ احوال مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں کیا یہ کوئی ممکن امر نظر آتا ہے کہ عالمی صلیبی طاقتیں اور ان کا ہراول دستہ......یعنی پاکستانی سیاستدان اور فوجی افسران پر مشتمل خائن و مفسد ٹولہ......آسانی کے ساتھ پاکستان پر سے اپنی گرفت چھوڑ دیں گے اور انہیں ہٹانے کے لئے کسی زوردار مزاحمت اور قوی مقاومت کی ضرورت نہیں پڑے گی؟

ثانیاً، یہ کہ یہ شعور و آگاہی معاشرے میں عام کی جائے تاکہ مطلوبہ تبدیلی لانے کے لئے ایک عوامی تحریک وجود میں آئے جو درست بنیادوں (یعنی شریعت کے عمیق علم اور حالات کے درست فہم) پر کھڑی ہو اور بہت سی دیگر تحریکوں کی طرح کانفرنسز کے سرابوں میں اور سیاست کی دہلیزوں پر خاک نہ چھانتی پھرے۔

(ب) صلیبی یلغار کے مقابل ڈٹی جہادی تحریکوں کی معاونت

آج ہر اس جہادی تحریک کا ساتھ دینا لازم ہے جو عالمِ اسلام کے خلاف لڑی جانے والی حالیہ صلیبی جنگ، بالخصوص پاکستان وافغانستان پر امریکی صلیبی یلغار کے بالمقابل کھڑی، دفاعِ دین وملت میں مصروف ہے۔ ان تحریکات کا ساتھ دینا دو وجوہات سے لازم ہے:

اولاً، یہ کہ افغانستان و پاکستان سے صلیبی حملہ آوروں کو نکالنا ہر پاکستانی پر فرضِ عین ہے۔ یہ شریعت کا ایک واضح حکم ہے جس کی نشر واشاعت، وضاحت اور تلقین نہایت اہم ہے۔ ۸۰ء کی دہائی میں بہت سے پاکستانی علماء نے یہ فتویٰ صادر کیا تھا کہ تمام اہلِ پاکستان وافغانستان پر جہادِ افغانستان میں شمولیت فرضِ عین ہے اور بوقتِ ضرورت فرضیت کا یہ دائرہ وسیع ہو کر پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اگر کل روس کے آنے پر یہ جہاد فرضِ عین تھا تو آج صلیبی امریکیوں کے میدان میں اترنے پر حکم کیسے فرق ہوسکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ اس جنگ کا دائرہ روس کے دور سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ وہ تو صرف افغانستان پر قابض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے پاکستان میں بھی اپنے بڑے بڑے اڈے قائم کر لیے ہیں۔

ثانیاً، یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ آج پاکستان میں عملاً امریکہ ہی کی حکومت اور اسی کا نفوذ و غلبہ

ہے، اور یہ امریکہ ہی ہے جس کے حکم پر اس سرزمین سے اٹھنے والی ہر دینی تحریک کو کچلا جاتا ہے۔ لہٰذا جب تک امریکہ کو پاکستان و افغانستان سے نابود کر کے پاکستان کو امریکی غلامی سے آزاد نہیں کروایا جاتا، یہاں اصلاحِ احوال ناممکن ہے۔

(ج) نفاذِ شریعت کی کوششوں کی تقویت

صدق و امانت کی صفات سے متصف ہر اس صالح گروہ اور جماعت کو ہر ممکن طریقے سے مضبوط کیا جائے جو اپنے علاقوں میں نفاذِ شریعت کے لئے کوشاں ہو۔ ایسے گروہوں کی بھرپور مدد کی جائے تاکہ ان کا اثر و رسوخ چہار اطراف پھیل سکے اور وہ اپنے خلاف مسلط کی گئی تباہ کن جنگوں کا جم کر مقابلہ کر سکیں۔

(د) تمام شعبہ ہائے دین کی دعوت اور عوام کی دینی تربیت کا اہتمام

دعوتِ دین کے تمام پہلو اجاگر کئے جائیں اور عوام کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ عقائد، سلوک اور سیاست میں در آنے والے بگاڑ سے دامن چھڑا کر اپنے آپ کو شرعی آداب و اخلاق اور اسلامی عقائد و احکام سے مزین کریں۔ نیز ہر مسلمان کے سامنے یہ بات واضح کی جائے کہ موجودہ کشمکش میں اپنی طاقت و وسعت کے مطابق حصہ لینا اور اپنے حصے کی ذمہ داری ادا کرنا ایک مؤکد فرض ہے۔ بالخصوص داعیانِ دین میں یہ احساس بیدار کیا جائے کہ خائنینِ ملت اور مفسدین فی الارض کے پھیلائے ہوئے فساد و بگاڑ اور ظلم و انحراف کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہونا ان کا فرضِ منصبی ہے۔ پھر یہ انہی داعیانِ دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام المسلمین میں بھی مزاحمت کی یہی روح بیدار کریں اور انہیں سمجھائیں کہ ان کا یہ عمل افضل ترین جہاد کے زمرے میں داخل ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر".

"افضل ترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہءِ حق کہنا ہے"۔[۲]

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے "حسن غریب" ہے۔[۳]

(ہ) جہاد فی سبیل اللہ

پاکستان اور دیگر مسلم علاقوں میں بسنے والے ہر غیرت مند مسلمان کو یہ حقیقت بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت کا نفاذ، حقیقی اسلامی نظام کا قیام، صالح و امین قیادت کا ظہور، اسلام کی صحیح دعوت کا فروغ اور ایمانی محبت و باہمی تعاون پر مبنی پاکیزہ معاشرے، عفت و عصمت کے محافظ مضبوط مسلم گھرانے اور صالح مسلم فرد

کا وجود میں آنا...... یہ سب نہ تو جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ہونا ممکن ہے، نہ ہی جہاد کے بغیر ان کا باقی رہنا اور اپنے وجود کی حفاظت کرنا ممکن ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرة:۲۵۱)

''اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان والوں پر بہت فضل واحسان کرنے والا ہے''۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

حواشی

۱؎ أحكام القرآن للجصاص . سورة آل عمران ، باب فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۳/۴۶۷، ۴۶۸.

۲؎ تفسير ابن كثير . المائدة الآيات ۷۸ إلى ۸۱ . ۲/۸۵، المستدرك على الصحيحين. كتاب الفتن والملاحم ، حديث رقم ۸۵۴۳ . ۴/۵۵۱، مجمع الزوائد . باب الكلام بالحق عند الحكام ۷/۲۷۲، سنن أبي داود . كتاب الملاحم ، باب الأمر والنهي ، حديث رقم :۴۳۴۴ . ۴/۱۲۴، سنن ابن ماجه . كتاب الفتن ، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث رقم : ۴۰۱۱ و ۴۰۱۲ . ۲/۱۳۲۹، ۱۳۳۰، مسند أحمد . مسند أبي سعيد الخدري ، حديث رقم :۱۱۱۵۹. ۳/۱۹، مسند الحميدي . الجزء السابع أحاديث أبي سعيد الخدري ، حديث رقم: ۷۵۲ ، ۲/۳۳۱، مسند أبي يعلى . مسند أبي سعيد الخدري ، حديث رقم:۱۱۰۱. ۲/۳۵۲، ۳۵۳، مسند ابن الجعد. حماد بن سلمة ، حديث رقم :۳۳۲۶ ۱/۴۸۰، مسند عبد بن حميد . من مسند أبي سعيد الخدري ، حديث رقم : ۸۶۴ ۱/۲۷۳، المعجم الكبير للطبراني . ما أسند أبو أمامة ، من روى عن أبي أمامة من أهل البصرة ، حديث رقم : ۸۰۸۰ و ۸۰۸۱ . ۸/۲۸۱:۲۸۲، مسند الشهاب . أفضل الجهاد كلمة حق عند أمير جائر ، حديث رقم :۱۲۸۶ و ۱۲۸۸. ۲/۲۴۷، ۲۴۸، شعب الإيمان . الثاني والخمسون من شعب الإيمان وهو باب في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ، ۶/۹۳ والسابع والخمسون من شعب الإيمان وهو باب في حسن الخلق . فصل في ترك الغضب وكظم الغيظ والعفو عند القدرة ، حديث رقم :۸۲۸۹ . ۶/۳۰۹، ۳۱۰، التمهيد لابن عبد البر ۲۱ / ۲۸۶.

۳؎ سنن الترمذي . كتاب الفتن ، باب ما جاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر ، حديث رقم ۲۱۷۴ . ۴/۴۷۱، كشف الخفاء . حرف الهمزة ، حرف الهمزة مع الفاء ، حديث رقم :۴۵۷. ۱/۱۷۳.

مراجع ومصادر

کتب کو ترتیبِ ہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ ہر کتاب کی طباعت کا بھی اندراج کر دیا گیا ہے تا کہ ڈھونڈنے میں آسانی ہو۔ کسی قسم کا نقص رہ جانے کی صورت میں، میں معزز قارئین سے معذرت خواہ ہوں کیونکہ تصنیف کے دوران میں دربدری اور سکون نہ ملنے کا شکار رہا۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مطلوب ہے اور بیشک وہی راہ راست کی جانب ہدایت دینے والا ہے۔

۱. الأحاديث المختارة، لضياء الدين أبي عبد الله محمد بن عبد الواحد بن أحمد الحنبلي المقدسي، مكتبة النهضة الحديثة، مكة المكرمة، سنة ۱۴۱۰هـ، الطبعة الأولى. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي ، ۱۴۱۹ هـ- ۱۹۹۹م ، عمان.

۲. أحكام القرآن، لأحمد بن علي الرازي الجصاص أبي بكر، دار إحياء التراث العربي، بيروت، سنة ۱۴۰۵هـ. نقلاً عن :مكتبة التفسير و علوم القرآن، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ هـ- ۱۹۹۹ م، عمان.

۳. أضواء البيان، للشيخ محمد أمين الشنقيطي.

۴. اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم، لأحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني أبي العباس، مطبعة السنة المحمدية، القاهرة، سنة ۱۳۶۹هـ، الطبعة الثانية. نقلاً عن :مؤلفات شيخ الإسلام ابن تيمية (الإصدار الثاني)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۲۱هـ- ۲۰۰۰م، عمان.

۵. الأم، لمحمد بن إدريس الشافعي أبي عبد الله ، دار المعرفة، بيروت، سنة ۱۳۹۳هـ، الطبعة الثانية . نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۶. بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، لعلاء الدين الكاساني، دار الكتاب العربي، بيروت، سنة ۱۹۸۲م، الطبعة الثانية. نقلاً عن:مكتبة الفقه و أصوله (الإصدار ۱،۵)،

مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان .
۷. البداية والنهاية، لإسماعيل بن عمر بن كثير القرشي أبي الفداء، مكتبة المعارف، بيروت. نقلاً عن :مكتبة التاريخ والحضارة الإسلامية، الإصدار الأول، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.
۸. تاريخ الأمم والملوك، لمحمد بن جرير الطبري أبي جعفر، دار الكتب العلمية، بيروت ، سنة ۱۴۰۷ھـ، الطبعة الأولى. نقلاً عن :مكتبة التاريخ والحضارة الإسلامية، الإصدار الأول، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.
۹. تاريخ الخلفاء، لعبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي، مطبعة السعادة، مصر، سنة ۱۳۷۱ھـ - ۱۹۵۲م، الطبعة الأولى. نقلاً عن :مكتبة التاريخ والحضارة الإسلامية، الإصدار الأول، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.
۱۰. تفسير القرآن العظيم، لإسماعيل بن عمر بن كثير القرشي أبي الفداء، دار الفكر، بيروت، ۱۴۰۱ھـ. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان .
۱۱. التقرير الإستراتيجي العربي لسنة ۱۹۹۳م، مركز الدراسات السياسية والإستراتيجية بالأهرام، القاهرة، ۱۹۹۴م.
۱۲. الجامع لأحكام القرآن، لمحمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح القرطبي أبي عبد الله، دار الشعب، القاهرة، سنة ۱۳۷۲ھـ، الطبعة الثانية. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان .
۱۳. جامع البيان عن تأويل آي القرآن، لمحمد بن جرير بن يزيد بن خالد الطبري أبي جعفر، دار الفكر ،بيروت، سنة ۱۴۰۵ھـ. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵). مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م، عمان .
۱۴. الجامع الصحيح سنن الترمذي، لمحمد بن عيسى أبي عيسى الترمذي السلمي، دار إحياء التراث العربي، بيروت. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار

۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۱۵. الجامع الصحيح المختصر، لمحمد بن إسماعيل أبي عبد الله البخاري الجعفي، دار ابن كثير، اليمامة، بيروت، سنة ۱۴۰۷هـ - ۱۹۸۷م، الطبعة الثالثة. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ - ۱۹۹۹م، عمان.

۱۶. الحرية أو الطوفان، دراسة موضوعية للخطاب السياسي الشرعي ومراحله التاريخية، للدكتور حاكم المطيري، ۲۰۰۳م.

۱۷. زاد المنتهي شرح الجامع الترمذي، للشيخ المفتي محمود، إعداد المفتي خالد شاه جهانكيروي، بإشراف الشيخ شير علي شاه المدني، الجامعة الحقانية، كلية الحديث و علومه، ۱۴۲۵هـ.

۱۸. السلسلة الصحيحة، لمحمد ناصر الدين الألباني، برنامج منظومة التحقيقات الحديثية المجاني، من إنتاج مركز نور الإسلام لأبحاث القرآن والسنة بالإسكندرية. نقلاً عن موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

۱۹. سنن أبي داود، لسليمان بن الأشعث أبي داود السجستاني الأزدي، دار الفكر. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۰. سنن البيهقي الكبرى، لأحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبي بكر البيهقي، مكتبة دار الباز، مكة المكرمة، سنة ۱۴۱۴هـ- ۱۹۹۴م. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

۲۱. سنن سعيد بن منصور، لسعيد بن منصور، دار العصيمي، الرياض، سنة ۱۴۱۴هـ، الطبعة الأولى. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ- ۱۹۹۹م، عمان.

٢٢. سير أعلام النبلاء، لمحمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي أبي عبد اللّٰه، مؤسسة الرسالة، بيروت، سنة ١٤١٣هـ، الطبعة التاسعة. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ١،٥)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ١٤١٩هـ- ١٩٩٩م، عمان.

٢٣. سيرة ابن هشام، من موقع الإسلام، http://www.al-islam.com. نقلاً عن موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

٢٤. شعب الإيمان، لأبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي، دار الكتب العلمية، بيروت، سنة ١٤١٠هـ، الطبعة الأولى. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ١،٥)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ١٤١٩هـ- ١٩٩٩م، عمان.

٢٥. صحيح و ضعيف سنن أبي داود، لمحمد ناصر الدين الألباني، برنامج منظومة التحقيقات الحديثية المجاني، من إنتاج مركز نور الإسلام لأبحاث القرآن والسنة بالإسكندرية. نقلاً عن: موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

٢٦. صحيح مسلم، لمسلم بن الحجاج أبي الحسين القشيري النيسابوري، دار إحياء التراث العربي، بيروت. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ١،٥)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ١٤١٩هـ- ١٩٩٩م، عمان.

٢٧. الطبقات الكبرى، لمحمد بن سعد بن منيع أبي عبد اللّٰه البصري الزهري، دار صادر، بيروت. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ١،٥)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ١٤١٩هـ- ١٩٩٩م، عمان.

٢٨. عمدة التفسير مختصر تفسير ابن كثير، للشيخ أحمد شاكر.

٢٩. فتح الباري شرح صحيح البخاري، لأحمد بن علي بن حجر أبي الفضل العسقلاني الشافعي، دار المعرفة، بيروت، سنة ١٣٧٩هـ. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ١،٥)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ١٤١٩هـ- ١٩٩٩م، عمان.

٣٠. فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير، لمحمد بن علي الشوكاني، دار الفكر، بيروت. نقلاً عن:مكتبة علماء الإسلام ، الإصدار الأول، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ١٤٢١هـ- ٢٠٠١م، عمان.

٣١. الفصل في الأهواء والملل والنحل، لأبي محمد بن حزم.

٣٢. الكامل في التاريخ، لمحمد بن محمد بن عبد الواحد الشيباني أبي الحسن عز الدين ابن الأثير، دار الكتب العلمية ، بيروت، سنة ١٤١٥هـ - ١٩٩٥م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.

٣٣. كتاب الروضتين في أخبار الدولتين النورية والصلاحية، لشهاب الدين عبد الرحمن بن إسماعيل بن إبراهيم المقدسي الدمشقي، مؤسسة الرسالة، بيروت، سنة ١٩٩٧م، الطبعة الأولى. نقلاً عن:مكتبة التاريخ والحضارة الإسلامية ، الإصدار الأول، ١٤١٩هـ- ١٩٩٩م، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، عمان.

٣٤. كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، لإسماعيل بن محمد العجلوني الجراحي، مؤسسة الرسالة، بيروت، سنة ١٤٠٥هـ، الطبعة الرابعة. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ١،٥)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،١٤١٩هـ- ١٩٩٩م، عمان.

٣٥. كلمة حق:مرافعة الشيخ عمر عبد الرحمن في قضية الجهاد للشيخ عمر عبد الرحمن، منبر التوحيد والجهاد. www.alsunnah.info، www.tawhed.ws، www.almaqdese.com

٣٦. كنز العمال، للمتقي الهندي. نقلاً عن:موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

٣٧. مجمع الزوائد و منبع الفوائد، لعلي بن أبي بكر الهيثمي، دار الريان للتراث ودار الكتاب العربي، القاهرة وبيروت. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ١،٥)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،١٤١٩هـ- ١٩٩٩م، عمان.

۳۸. مجموع الفتاوى، لأحمد عبد الحليم بن تيمية الحراني أبي العباس، مكتبة ابن تيمية، القاهرة. نقلاً عن: مكتبة الفقه و أصوله (الإصدار ۵،۱)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۳۹. المحلى، لعلي بن أحمد بن سعيد بن حزم الظاهري أبي محمد، دار الآفاق الجديدة، بيروت. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۵،۱)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۰. المستدرك على الصحيحين، لمحمد بن عبد اللّٰه أبي عبد اللّٰه الحاكم النيسابوري، دار الكتب العلمية، بيروت، سنة ۱۴۱۱ھ– ۱۹۹۰م، الطبعة الأولى. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۵،۱)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي،۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۱. مسند أبي يعلى، لأحمد بن علي بن المثنى أبي يعلى الموصلي التميمي، دار المأمون للتراث، دمشق، سنة ۱۴۰۴ھ– ۱۹۸۴م، الطبعة الأولى. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۵،۱)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۲. مسند الإمام أحمد بن حنبل أبي عبد اللّٰه الشيباني، مؤسسة قرطبة، مصر. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۵،۱)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹ھ– ۱۹۹۹م، عمان.

۴۳. مشكاة المصابيح، لمحمد بن عبد اللّٰه الخطيب التبريزي، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة، ۱۴۰۵ھ– ۱۹۸۵م، تحقيق محمد ناصر الدين الألباني. نقلاً عن: موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela

۴۴. المصنف، لأبي بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني، المكتب الإسلامي، بيروت، سنة ۱۴۰۳ھ، الطبعة الثانية. نقلاً عن: المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۵،۱)،

مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ– ۱۹۹۹م، عمان.
۴۵. المصنف في الأحاديث والآثار، لأبي بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة الكوفي رحمة الله، مكتبة الرشد، الرياض . نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ– ۱۹۹۹م، عمان.
۴۶. المعجم الأوسط، لسليمان بن أحمد بن أيوب أبي القاسم الطبراني، دار الحرمين، القاهرة، سنة ۱۴۱۵هـ. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ– ۱۹۹۹م، عمان.
۴۷. المعجم الكبير، لسليمان بن أحمد بن أيوب أبي القاسم الطبراني، مكتبة العلوم والحكم، الموصل، سنة ۱۴۰۴هـ– ۱۹۸۳م،الطبعة الثانية. نقلاً عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الإصدار ۱،۵)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۱۹هـ– ۱۹۹۹م، عمان.
۴۸. معرفة السنن والآثار، لأبي بكر أحمد بن الحسين بن علي بن عبد الله بن موسى الخسروجردي البيهقي، مصدر الكتاب:موقع جامع الحديث، http://www.alsunnah.com نقلاً عن:موسوعة المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني، http://www.waqfeya.net/shamela
۴۹. منهاج السنة النبوية، لأحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني أبي العباس، مؤسسة قرطبة، سنة ۱۴۰۶هـ، الطبعة الأولى. نقلاً عن: مؤلفات شيخ الإسلام ابن تيمية (الإصدار الثاني)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلي، ۱۴۲۱هـ– ۲۰۰۰م، عمان.
۵۰.

THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN [As modified upto the 31st July, 2004], NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN.

۵۱.

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, By M. RAFIQ BUTT, 2007, Mansoor Book House, Lahore.

۵۲.

IN THE LINE OF FIRE, A MEMOIR, By PERVEZ MUSHARRAF, published by Simon & Schuster UK, 2006.

پاکستان کے ہر مسلمان کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ سرزمین اور اس کے مسلمان باسی آج ایک جدید صلیبی صہیونی جنگ کی زد میں ہیں، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر صلیبی صہیونی مہم کا حصہ ہے۔ انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ جس ریاست کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کہا جاتا ہے وہ کسی طور بھی اسلامی نہیں ہے، نہ تو اپنی نظریاتی اساس (یعنی دستور) کے اعتبار سے اور نہ ہی اپنے عملی تصرفات کے اعتبار سے۔

زیرِ نظر کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ پاکستان کے بنیادی دستوری و قانونی ڈھانچے کا بگاڑ واضح کیا جائے تاکہ اس شبہے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ ''پاکستان کا نظام بنیادی طور پر صحیح اصولوں پر قائم ہے، لیکن سارے بگاڑ کا سبب وہ حکمران طبقہ ہے جو ان اصولوں سے بغاوت کرتا ہے''۔ لہٰذا پاکستان میں اسلام کو غالب دیکھنے کے خواہش مند ہر فرد کو جان لینا چاہیے کہ ریاستِ پاکستان دوہرے بگاڑ پر قائم ہے...... یہ بگاڑ اصولی اعتبار سے بھی ہے اور عملی لحاظ سے بھی!

یہ حقیقت تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ بھی مانا جائے کہ انتخابات اور مروّجہ سیاسی ذرائع کے ذریعے قیادت کو بدلنے سے پاکستان میں اصلاح ممکن نہیں۔ پہلے تو اس اساس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے جس پر ریاستِ پاکستان قائم ہے کیونکہ وہی اسلام سے متصادم ہے۔

لہٰذا اولاً یہ دعوت لے کر اٹھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اور تمام دیگر اسلامی سرزمینوں پر تنہا شریعت ہی کی حاکمیت قائم کی جائے اور یہ حاکمیت ناقابلِ تغیر و تبدل اور ناقابلِ نسخ و ابطال ہو۔ اس حاکمیت کو عوامی منظوری کی حاجت نہ ہو، بلکہ یہ اکثریت کی پسند و ناپسند اور ہر دستور و قانون سے بالاتر ہو۔

ادارہ حطّین